سلسلہ سوانح حیات اصحاب و اولاد معصومین علیہم السلام ۱

علی اکبر

علی بن الحسین علیہ السلام

تالیف

مورخ آل اطہار

علامہ عبدالرزاق موسوی المقرم

ترجمہ

سید سبطین علی نقوی امروہوی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ
أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيقِيْنَ وَ
الشُّهَدَاءِ وَ الصَّالِحِيْنَ وَ حَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقاً ۞

(نساء:٦٩)

علیہ السلام

علی الاکبر

سلسلہ سوانح حیات اصحاب واولاد معصومین علیہم السلام (١)

علی الاکبر

(علیہ السلام)

تالیف: آیت اللہ سید عبدالرزاق موسوی المقرم

ترجمہ: سید سبطین علی نقوی امروہوی

نام کتاب: علی الاکبرؑ

تالیف: آیت اللہ سید عبد الرزاق موسوی المقرمؒ.

ترجمہ و کمپوزنگ: سید سبطین علی نقوی امروہوی.

نظر ثانی: خانم سیدہ زہرا علی رضوی. / تعداد: 500.

سال اشاعت: مارچ 2020.

ہدیہ: Rs260/-

SABEEL E SAKINA
(DMF) PAKISTAN

All rights reserved. This book or any portion thereof may not be reproduced or used in manner whatsoever without the express written permission of the publisher except for the use of brief quotations in a book review.

ST-1/B, Block 6, Federal 'B' Area,
Karachi (75950) – Pakistan
+92 (0) 333 2000 464 +92 (0) 333 3589 401
Office No. 12, 2nd Floor, Empress Tower,
Empress Road, Lahore - Pakistan
+92 (0) 321 4664 333
www.ziaraat.com
webmaster@ziaraat.com fb.com/ziaraatdotcom
whatsapp online bookstore
+92 (0) 348 8640 778

انتساب

اس مظلوم باپ کے نام جس نے اپنے کڑیل جوان کو مقتل میں بھیجنے کے بعد بارگاہ خدا میں اپنے دلی غم کا اظہار ان الفاظ سے کیا:

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ عَلٰی ھٰؤُلاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ إِلَیْھِمْ غُلَامٌ أَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقاً وَ خُلْقاً وَ مَنْطِقاً بِرَسُوْلِكَ كُنَّا إِذَا اشْتَقْنَا إِلٰی نَبِیِّكَ نَظَرْنَا إِلٰی وَجْھِهٖ.

اے خدا اس امت پر گواہ رہنا، اب ان کی جانب وہ بیٹا جارہا ہے جو خَلق و خُلق و گفتار میں بقیہ افراد کی نسبت سب سے زیادہ تیرے رسول ﷺ کی شبیہ ہے، ہم جب بھی تیرے نبی کے دیدار کے مشتاق ہوئے تو اس کے چہرے کی جانب دیکھا کرتے تھے.

حرف مترجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی ابی القاسم المصطفی محمد وآلہ الطیبین الطاہرین. ولعنۃ اللہ علی اعدائھم اجمعین.

حقیقی کمال اور سعادت سے ہمکنار ہونے کا ایک بہترین وسیلہ مکتب اہل بیت علیہم السلام میں تربیت پانے والی شخصیات کے حالات زندگی سے واقف ہو کر انہیں اپنے لیے مشعل راہ قرار دینا ہے۔ جہاں یہ حضرات عام انسانوں کے لیے نمونہ عمل بن کر ابھرتے ہیں وہیں معصومین علیہم السلام سے ہدایت ونجات کسب کرنے کا طریقہ وراہ بھی بتاتے ہیں۔

اسی ضرورت کے پیش نظر حقیر نے اس سلسلے کا آغاز کیا گیا ہے جس کی پہلی کاوش اس وقت آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ اس کا نام "سلسلہ سوانح حیات اصحاب واولاد معصومین علیہم السلام" تجویز کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے سب سے پہلے جس شخصیت کی سیرت پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے وہ ہم شکل پیغمبر علی ابن الحسین الاکبر علیہما السلام ہیں۔

کتاب ہذا مورخ آل محمد علیہم السلام علامہ آیت اللہ سید عبد الرزاق موسوی المقرم رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جس میں انہوں نے شبیہ پیامبر علیہ السلام کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ مؤلف کی دیگر کتب کی طرح اس کتاب میں بھی جابجا عربی اشعار نقل ہوئے ہیں نیز کتاب کے آخر میں پوری ایک فصل عربی زبان میں کہے گئے قصائد، مناقب نیز مراثی پر مشتمل تھی؛ ہم نے یہ اشعار اردو دان طبقے سے متعلق نہ ہونے کی وجہ سے حذف کر دیے ہیں۔ ساتھ ہی جن مقامات پر ضروری سمجھا گیا وہاں حاشیے میں

مترجم کی جانب سے اضافات بھی کیے گئے ہیں، لیکن انہیں "مترجم عرض کرتا ہے" کی عبارت کے بعد شروع کیا گیا ہے تاکہ مؤلف و مترجم کی تحریر و حاشیے میں فرق واضح رہے۔

بارگاہ خدا میں دعا ہے کہ بطفیل علی الاکبر علیہ السلام، ہماری اس حقیر سی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے اور اس سلسلے کو جاری رکھ کر ہماری عاقبت بالخیر ہونے کا سامان فراہم کرے۔ آمین

سید سبطین علی نقوی امروہوی.

تقریظ آیت اللہ سید شہاب الدین حسینی مرعشی نجفی رحمہ اللہ

حمد اس خدا کی جس نے ہم پر محبت اہل بیت علیہم السلام کے وسیلے سے احسان کیا اور ہمیں اس ذریت فاخرہ کا پیروکار بنایا۔ درود و سلام ہو وجود ہستی کے شرف، عالم امکان کے فخر، سفیران الٰہی میں مقدم، سلسلہ انبیاء کے دُرِ درخشاں، ہمارے مولا و سردار حضرت ابو القاسم محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام پر؛ جو زمانے کے ہلاکت خیز طوفانوں میں کشتی نجات ہیں۔ جو کوئی بھی ان کی عنایات کے سائے میں آیا اس نے نجات پائی اور جو بھی ان سے روگرداں ہوا، ہلاک ہوا۔

کسی بھی صاحب وجدان شخص پر اس خاندان کرامت کے اس چشم و چراغ یعنی ہمارے سردار ابو الحسن علی الاکبر علیہ السلام کی شرافت و کرامت مخفی نہیں۔ وہ یگانہ روزگار، اسوہ عقل و فضیلت، نابغہ زمان، پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس تمام، شہید کربلا، ابن ریحانۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا پارہ دل و آرام جان تھا۔ ہماری جان حسین اور ان کے ساتھیوں علیہم السلام پر قربان!

علی اکبر علیہ السلام، وہ شہزادہ ہے کہ مادر زمان اس جیسی شخصیت کو جنم دینے سے بانجھ ہے۔ وہ اس خاندان سے ہے جس کی سیرت، صورت، گفتار و کردار و مکارم اخلاق میں خدا نے اپنی قدرت کو ظاہر فرمایا ہے۔

بزرگان نے ان کے حالات زندگی اور ممتاز خصائل میں کتابیں اور مقالاجات تالیف کیے ہیں۔ جو علماء اس توفیق الٰہی سے بہرہ مند ہوئے ان میں سے ایک سید بزرگوار، مخلص در ولایت اہل البیت علیہم السلام، عترت نبی کی محبت اور اس راہ میں فانی، علامہ حجۃ الاسلام والمسلمین سید عبد الرزاق مقرم موسوی نجفی رحمہ اللہ ہیں۔ وہ ہمارے معاصر ہیں جو سال ۱۳۹۱ ہجری میں دار البقاء کی جانب رخصت ہوئے، ان کی روح پر خدا کا لطف

ہو۔ انہوں نے یہ کتاب نفیس "علی الاکبر" تالیف کی جو اس مکرم شہزادے، کرامت کے دُرِ گرانقدر اور سیادت و بزرگی کے درخشاں گلوبند کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔

مجھے میری جان کی قسم! یہ کتاب بیش قیمت اور بے نظیر مجموعہ ہے جو حق مطلب کو بخوبی ادا کرتا ہے، اس کے اہم ترین نکات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں علی اکبر شہید کربلا علیہ السلام کا امام زین العابدین علیہ السلام سے عمر میں بڑا ہونا ثابت کیا گیا ہے اور یہ بات درست اور قابل قبول ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ عالم نسب شناس شیخ محمد بن ادریس عجلی حلی نے اپنی کتاب السرائر پر توضیحات دیتے ہوئے جو کہا ہے ہم اسے اختصار کے ساتھ نقل کیے دیتے ہیں:

مورخین اور نسب شناس افراد کے یہاں زیادہ صحیح اور مشہور بات یہ ہے کہ علی اکبر علیہ السلام امام زین العابدین علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے۔ یہ بات حجت ہے کیونکہ یہ افراد صاحب نظر اور اہل خبرہ ہیں۔

خدائے کریم انہیں ان کی اس قابل قدر و قیمت خدمت کے بدلے جزائے خیر سے نوازے، انہیں ایسا سیراب کرے کہ وہ پھر کبھی تشنہ نہ ہوں اور انہیں ان کے جد امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ محشور فرمائے۔ افسوس کہ اس خدمت گزار مرد کی زندگی کم تھی۔ وہ نوابغ روزگار میں سے تھے جنہوں نے ہاتھ، زبان اور قلم سے اہم خدمات انجام دیں اور ایسے نفیس علمی آثار چھوڑے جن کی جانب دل جذب ہوتے ہیں۔ امید کرتے ہیں کہ علماء و فضلا ان کی زحمتوں کی قدر کریں گے اور ان کے نو آور دافکار سے بہرہ مند ہوں گے۔ اس مقام پر خدا سے دعا گو ہوں کہ اس کتاب کے ناشر عالم جلیل حاج شیخ حسن مومن حائری دام عمرہ کو ہزار برابر جزائے کامل سے نوازے اور خدا ہر اس شخص پر رحمت کرے جو آمین کہے۔

راقم السطور، حوادث روزگار سے پریشان، حاسدین کے زخم زبان سے پارہ جگر، علوم اہل بیت علیہم السلام کا خادم، شہاب الدین حسینی مرعشی نجفی (ہے) کہ خدا آخرت میں اسے اس کے اجداد کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے اور دنیا میں ان کی قبور کی زیارت سے۔ آمین.

ظہر، روز سہ شنبہ، ۲۰ شعبان ۱۴۰۱ ہجری

شہر مقدس قم، حرم ائمہ اطہار علیہم السلام و عش آل محمد علیہم السلام.

مقدمہ مؤلف

وجود تاریخ کا فلسفہ گزرے ہوؤں کی راہ ورسم اور ان کی فضیلتوں، آداب اور عادات جیسے آثار کی حفاظت کرنا ہے تاکہ بعد میں آنے والے ان کی نیک روش وسیرت پر چلیں اور ان کے اچھے کردار کو اپنے لیے نمونہ عمل قرار دیں۔ ایسے ہی ان کے حالات میں ایسے موارد بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جو عقل سلیم اور پاک فطرت کے ساتھ ہم آہنگی نہیں رکھتے اور معاشرے میں خلل کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی ان افراد کے لیے عبرت کا باعث بنتے ہیں جن کی راہ کا چراغ نور عقل ہے اور جو اپنی پاک فطرت کی پیروی کرتے ہیں، نیک سنتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور انہیں انسانی کرامت وکمال تک پہنچنے کی راہ سمجھتے ہیں۔ البتہ ہوائے نفس کی پیروی نے مورخین کی عقل و خرد کو بازیچہ اطفال بنا دیا۔ لالچ نے انہیں ہلاکت تک پہنچایا اور اندھے تعصب کا شکار معاشرے کے عظیم افراد اور تاریخ کے مصلح قائدین کی خصوصیات کا تعارف کروانے میں مانع ہوا۔

جن اہم موارد کو تاریخ نے پردہ بے خبری میں چھپا دیا ان میں سے ایک عاشورا کے نامور شہید علی الاکبر علیہ السلام کے حالات زندگی ہیں۔ اس عظیم شخصیت کے شہادت تک کے حالات زندگی کربلا میں مخفی ہیں اور ہم اس کی فضیلتوں اور خصوصیتوں سے بے خبر ہیں۔

ویسے ہی جیسے ہم ان کی والدہ کے بارے میں بھی آگاہی نہیں رکھتے، نہیں معلوم کہ امام حسین علیہ السلام نے ان کے ساتھ کب ازدواج کی اور ان کے ساتھ کس طرح پیش آتے نیز ان کے بچوں کے بارے میں بھی نہیں جانتے۔ یہ تاریخ کے گناہوں میں سے ایک ہے اور طاغوتی ہوا پرستی کے کارنامے ہیں کہ اس نے مصلحین کے حالات قلمبند

کرنے کے بجائے ستم گروں کے عیش و نوش اور نغمہ و لالہ میں ڈوبے ہوئے محلات کے قصے بیان کیے ہیں۔

کینہ و عداوت کی اندھیروں اور کالے بادلوں کے باوجود بھی ان خاندان کی ہر ایک فضیلت اور خصوصیت آسمان کمال و عظمت پر درخشاں ستارے کی مانند چمکتی رہی۔ علی اکبر علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں جو نکات اختصار کے ساتھ بیان کیے جاسکتے ہیں وہ ایمان، یقین، بصیرت، اخلاقی خصوصیات، استقامت، بلاغت وغیرہ ہیں اور ایک جملے میں یوں کہیے کہ وہ صفات حمیدہ کا مجموعہ تھے۔

اس تحریر میں فضیلت اور آشکار خوبیوں کے اس معدن کے بارے میں ہم وہ امور قلم بند کریں گے جو ہمیں کتب و مدارک میں دستیاب ہو سکے۔ خاندان رسالت کے اس عظیم شہید کی ذات میں منحصر پہلو ان کے حالات زندگی کے ضمن میں مختلف عناوین کے تحت سپرد قرطاس کیے جائیں گے تاکہ ہم ان کی بلند و بالا شخصیت کی زیادہ سے زیادہ معرفت حاصل کر سکیں۔ خدا کے لطف و عنایت سے (اس کی) مدد و توفیق طلب کرتے ہیں۔

سید عبد الرزاق موسوی المقرم.

مادر علی الاکبر جناب لیلیٰ علیہا السلام

جناب لیلیٰ کے والد ابو مرہ بن عروۃ بن مسعود ثقفی ہیں۔[1] اور والدہ کا نام میمونہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ ہے۔[2] ان کی دادی بنت ابو العاص اور ان کے والد کی پھوپھی برزہ بنت مسعود ثقفی ہیں جو صفوان بن امیہ کی زوجہ تھی۔ برزہ جنگ احد میں مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئی[3] اور اس سے عبد اللہ اکبر متولد ہوا۔[4]

شیخ مفید نے الارشاد میں، طبرسی نے اعلام الوریٰ میں، ابن جریر نے تاریخ طبری میں، ابن اثیر نے الکامل میں، یعقوبی نے اپنی تاریخ میں اور سہیلی نے الروض الانف میں (ان کے اسی نام) لیلیٰ پر تاکید کی ہے۔ جبکہ سبط ابن جوزی[5]، ابن جریر طبری،[6] اور خوارزمی[7] نے ان کا نام "آمنہ" بتایا ہے۔

ابن شہر آشوب نے المناقب میں ان کا نام "برہ" بنت عروہ ذکر کیا ہے ایسے ہی سہیلی نے الروض الانف کی جلد ۲ صفحہ ۳۲۶ پر لکھا ہے: میمونہ بنت ابی سفیان لیلیٰ کی دادی تھی، میمونہ کا شوہر عروہ تھا اور ان کے بیٹے کا نام ابو مرہ تھا جس کی بیٹی لیلیٰ امام

---

[1] الاصابۃ: ج ۳، ص ۴۱۲.

[2] الاصابۃ: ج ۳، ص ۱۷۸.

[3] ایضاً: ص ۳۴۹.

[4] شرح نہج البلاغۃ: ج ۳، ص ۳۵۹.

[5] تذکرۃ الخواص.

[6] المنتخب: ج ۱۲، ص ۱۹.

[7] المقتل.

حسین علیہ السلام کی زوجہ تھیں۔

اسی رشتے داری کی وجہ سے روز عاشورا دشمن نے علی الاکبر علیہ السلام سے کہا: تو یزید کے ساتھ قرابت رکھتا ہے۔ وہ یہ کہہ کر علی اکبر علیہ السلام کو لشکر یزید میں شمولیت کی جانب مائل کرنا چاہتے تھے، لیکن ان کی روح پاک نے اس (برے) کام سے پرہیز کیا اور شرافت دائمی و حیات ابدی کو ترجیح دیتے ہوئے کہا: اس جگر خوار عورت کے بیٹے کی قرابت داری کی رعایت کرنے سے زیادہ سزاوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت داری کی رعایت کرنا ہے۔[1]

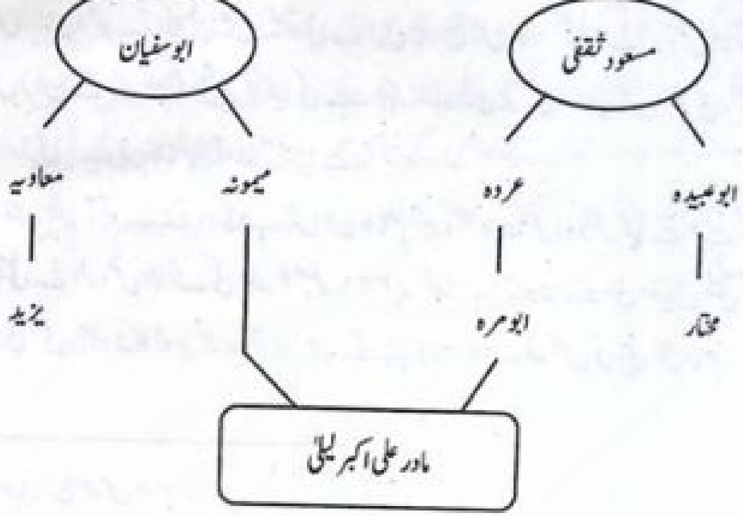

لیلیٰ کا خاندان مکے کے بزرگ اور اشراف میں سے تھا کیونکہ ان کے دادا عروہ ان دو بڑی شخصیات میں سے تھے جن کے بارے میں قریش نے کہا تھا:

﴿لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾

"کیا وجہ ہے کہ یہ قرآن مکے یا طائف کے اس عظیم مرتبت مرد پر نازل نہیں

---

[1] سر السلسلۃ العلویۃ، لابی نصر بخاری۔

ہوا"۔[1]

اس آیت میں قریتین سے مراد مکہ اور طائف ہے اور اس میں "قریش کا دو عظیم مردوں" سے مقصود عروہ اور ولید بن مغیرہ مخزومی المعروف بہ وحید ہیں۔ ولید اپنی کثیر دولت اور قبیلے کے درمیان عزت کی وجہ سے طول سال میں اپنی املاک سے فائدہ اٹھاتا اور اکیلا ہی کعبے کے غلاف کی خریداری کر کے کعبے پر چڑھاتا تھا۔ عبد المطلب علیہ السلام کی وفات کے بعد اس کے گھر سے کعبے تک اس کے لیے قالین بچھایا جاتا تھا۔ یہ کام ابن جدعان اور ابو طالب علیہ السلام جو کہ اپنے والد کے جانشین تھے کہ لیے بھی کیا جاتا تھا۔ اس آیت:

﴿ذَرْنِي وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِيداً ۞ وَ جَعَلْتُ لَهُ مالاً مَمْدُوداً ۞ وَ بَنِينَ شُهُوداً﴾ "اے رسول اس سے انتقام لینا مجھ پر چھوڑ دے جسے میں نے تنہا خلق کیا ہے اور اسے کثرت سے مال و دولت سے نوازا ہے اور اس کی خدمت کے لیے بہت سے بیٹے اس کے نصیب میں لکھے ہیں"۔[2]

میں مقصود یہی ولید بن مغیرہ ہے۔ لیلیٰ کے والد اور مختار (ثقفی) کے والد ایک دوسرے سے چچازاد تھے۔[3] اپنی قوم میں حاصل شرافت کی وجہ سے صلح حدیبیہ میں قریش نے صلح کی قرارداد کرنے کے لیے عروہ کو ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے پاس بھیجا تھا۔ وہ کافر تھا اور نو ہجری میں مسلمان ہوا اور اپنے قبیلے میں واپس جا کر گھر کی چھت پر چڑھا اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے اس کی جانب تیروں کی بارش کر دی ایک تیر اسے جا لگا اور وہ اپنے خون میں لوٹنے لگے۔ اس سے پوچھا گیا: قتل

---

[1] زخرف:۳۱.

[2] مدثر:۱۱ تا ۱۳.

[3] الاصابہ: ج ۳، ص ۱۳۰.

ہونے کو کیسا پاتا ہے؟ اس نے کہا: یہ خدا کی مجھ پر عنایت ہے اور یہ وہ شہادت ہے جو اس نے میرے نصیب میں لکھی ہے۔ میری ایک درخواست ہے کہ مجھے ان شہداء کے ساتھ دفن کیا جائے جو رسول اللہ ﷺ کی رکاب میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے ہیں۔ جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کی خواہش پر عمل کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: وہ اپنی قوم میں ایسے تھا جیسے صاحب یاسین اپنی قوم میں تھا۔[1]

جب عروہ نے اسلام قبول کیا اس وقت ان کی دس بیویاں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اسلام میں چار سے زائد بیویاں جائز نہیں۔ انہوں نے ان دس میں سے چار بیویوں کو چن لیا جن میں سے ایک زینب بنت ابو صفیان صخر بن حرب بن امیہ بھی تھی۔[2] لیلیٰ کے والد رسول اللہ ﷺ کے دور میں پیدا ہوئے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کی توفیق حاصل ہوئی، جب ان کے والد قتل ہو گئے تو وہ اپنے بھائی ابو ملیح کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اپنے والد کے قتل کی خبر دی، ان دونوں نے اسلام قبول کیا اور طائف واپس لوٹ گئے۔[3]

حارث بن خالد مخزومی نے لیلیٰ کے بارے میں یہ اشعار انشاء کیے:

اطافت بنا شمس النہار ومن رای — من الناس شمسا فی السماء تطوف

ابواہا وفی قریش بلدہا — واعمامہا اما سألت ثقیف

[سورج ہمارے طواف کو لوٹا، اور کس نے دیکھا ہے کہ رات میں سورج طواف کرے، لیلیٰ کے ماں باپ قریش کی نسبت سب سے زیادہ اپنا وعدہ وفا کرنے والے ہیں، اور اگر کوئی اس کے چچوں کے بارے میں پوچھے تو وہ قبیلہ ثقیف سے ہیں]

---

[1] الاصابہ: ج ۴، ص ۱۷۸۔

[2] ایضاً: ج ۴، ص ۳۱۶۔

[3] ایضاً ج ۴، ص ۱۷۸۔

اس عظیم خاتون کا سال وفات، عمر اور کربلا میں ان کا حاضر ہونا ہمارے لیے روشن نہیں ہوا۔ البتہ علامہ دربندی کتاب اسرار الشہادت میں بعض ایسی کتب کی نقل کے مطابق جن کے مؤلفین معین نہیں، ان کے کربلا میں حاضر ہونے کے معتقد ہوئے ہیں۔ مورخین نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کہی، شاید یہ واقعہ عاشورا سے قبل ہی دنیا سے رخصت ہو گئی ہوں۔

شیخ جلیل محدث عباس قمی کتاب نفس المہموم میں کہتے ہیں: مجھے کوئی ایسی سند نہیں ملی جو کربلا میں لیلیٰ کی آمد پر دال ہو۔ اس محدث محقق کی نظر سے استناد کیا جاسکتا ہے اور ایک محقق انسان کے لیے یہ نظر کافی ہے۔

ولادت علی الاکبر علیہ السلام

علی الاکبر علیہ السلام ۱۱ شعبان[1] ۳۳ ہجری میں عثمان کے قتل ہونے سے پہلے متولد ہوئے۔[2] عثمان ۳۵ ہجری میں قتل ہوا۔ اور یہ بات شیخ جلیل القدر ابن ادریس حلی کے اس قول سے میل کھاتی ہے جو انہوں نے کتاب السرائر کے حصہ مزار میں کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں: علی الاکبر علیہ السلام عثمان کے دور میں متولد ہوئے۔

اس طرح کربلا میں ان کی عمر تقریباً ۲۷ سال تھی۔ اس کی دلیل مورخین اور نسب شناس افراد کا اتفاق نظر ہے کیونکہ علی اکبر علیہ السلام امام سجاد علیہ السلام سے جو کربلا میں ۲۳ سال کے تھے، بڑے تھے۔ لہذا اس حوالے سے بقیہ اقوال دلیل سے عاری ہیں من جملہ کتاب منتخب میں طریحی کا کہنا کہ علی الاکبر علیہ السلام کربلا میں ۱۷ سال کے تھے یا شیخ مفید کا الارشاد اور طبرسی کا اعلام الوریٰ میں کہنا ہے کہ وہ کربلا میں ۱۸ سال کے تھے، یا سروری کا مناقب میں کہنا ہے کہ وہ ۱۹ سال کے تھے اور مثیر الاحزان میں ابن نما حلی کا کہنا کہ وہ دس سال سے زیادہ کے تھے کہ یہاں ابن نما کا مقصود بھی مشخص نہیں، البتہ کہا جا سکتا ہے کہ احتمالاً ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ مثلاً ۱۳ سال یا اس کے آس پاس تھے۔ اور یہ امر بھی بعید ہے۔

اس سے زیادہ بعید خواجہ نصیر الدین طوسی کا قول ہے کہ: علی اکبر علیہ السلام روز

---

[1] انیس الشیعہ، سید محمد عبد الحسین بن محمد عبد الہادی جعفری طیاری ہندی۔ شیخ آغا بزرگ تہرانی (الذریعہ: ج ۲، ص ۴۵۸) کہتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب نجف اشرف میں سید آغا تستری کے پاس فارسی زبان میں دیکھی تھی۔

[2] الحدائق الوردیہ: نسخہ خطی۔

عاشوراء سال کے تھے...[1]

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ علی اکبر علیہ السلام کا اپنے والد کی نگاہ میں بڑا مقام تھا اور وہ اپنے چچا عباس علیہ السلام کے علاوہ بقیہ تمام اصحاب و اہل بیت امام حسین علیہ السلام پر مقدم تھے۔ تمام مورخین نے نقل کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے شب عاشورا ابن سعد سے ملاقات کی اور حکم فرمایا کہ عباس اور علی اکبر علیہما السلام کے علاوہ سب ان سے فاصلے پر چلے جائیں۔ ابن سعد کے ساتھ اس کا غلام اور بیٹا حفص تھے۔ روز عاشورا جیسے ہی امام حسین علیہ السلام نے خطبہ پڑھا تو اہل حرم کے گریے کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی عباس علیہ السلام اور بیٹے علی اکبر علیہ السلام سے کہا: انہیں چپ کراؤ! مجھے میری جان کی قسم مستقبل میں انہیں بہت رونا ہے۔

جب اٹھ محرم کو امام نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ فرات سے پانی لے کر آئیں تو علی الاکبر علیہ السلام کو ان کا امیر بنایا۔

ان قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کربلا میں علی اکبر علیہ السلام کی عمر ان مذکورہ اعداد عمر سے زیادہ تھی ایسے ہی میدان نبرد میں ان کا رجز بھی اسی امر کو ظاہر کرتا ہے۔ ہمیں خواجہ نصیر الدین طوسی کے مدرک کا علم نہیں۔ شاید لفظ "عشرہ" کے بعد "سبع" لکھنے سے رہ گیا ہو، اگرچہ ذہن میں یہی توجیہ آتی ہے لیکن پھر بھی یہ امر مورخین کی نظر سے منافات رکھتا ہے جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے۔

---

[1] الفقہ المحصل: ص ۱۷۹، طبع مصر۔

کنیت علی الاکبر علیہ السلام

علی اکبر علیہ السلام کی جو زیارت ابو حمزہ ثمالی رضی اللہ عنہ نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے اس میں آیا ہے: اپنا چہرہ قبر پر رکھ کر تین بار کہو: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا أَبَا الْحَسَنِ

شاید یہ کنیت اس بات کے اظہار کے لیے ہو کہ آپ کا ایک حسن نامی بیٹا تھا۔ احمد بن ابو نصر بزنطی کی روایت اس مدعا پر گواہ ہے۔ بزنطی نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا: کیا کسی خاتون سے اور اس خاتون کے باپ کی کنیز سے شادی کی جا سکتی ہے؟ امام نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ اس کے بعد پوچھا: کہتے ہیں کہ علی ابن الحسین زین العابدین علیہما السلام نے امام حسن علیہ السلام کی دختر سے شادی کی تھی اور ساتھ ہی امام حسن علیہ السلام کی کنیز سے بھی؟ امام نے فرمایا: نہیں ایسا نہیں ہے! امام سجاد علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام کی دختر سے شادی کی تھی اور جس ام ولد (کنیز) کا تم ذکر کر رہے ہو وہ علی ابن الحسین علیہما السلام سے متعلق تھی جو کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔ امام سجاد علیہ السلام نے ان سے بھی عقد فرمایا تھا۔[1]

یہ حدیث اس بات پر سند ہے کہ علی اکبر علیہ السلام کی ایک ام ولد تھیں جس سے ان کے یہاں ایک فرزند متولد ہوا تھا۔[2]

ایسے ہی وہ زیارت جو ابو حمزہ ثمالی نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کی ہے اس سے ایک گوہر یگانہ اور تابناک حقیقت سامنے آتی ہے جسے زمانے کے انقلاب اور خیانت

---

[1] الکافی بھامش مرآۃ العقول: ج ۴، ص ۳۶۵۔

[2] کیونکہ کنیز کو اس وقت ام ولد کہا جاتا ہے جب وہ اپنے آقا کے بچے کی ماں ہو جائے۔

کارہاتھوں نے مٹا دیا اور وہ یہ کہ علی اکبر علیہ السلام خانوادے اور اولاد کے حامل تھے لیکن شاید ان کی نسل آگے نہ چل سکی۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ عَلٰى عِتْرَتِكَ وَ أَهْلِ بَيْتِكَ وَ آبَائِكَ وَ أَبْنَائِكَ وَ أُمَّهَاتِكَ الْأَخْيَارِ الْأَبْرَارِ الَّذِينَ أَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَ طَهَّرَهُمْ تَطْهِيرًا. "صلوات ہو آپ پر، آپ کی عترت پر، آپ کے اہل بیت پر، آپ کے آباؤ واجداد پر، آپ کے بیٹوں پر، آپ کی امہات اخیار پر، وہ جنہیں خدا نے رجس سے دور رکھا اور ایسے پاک رکھا جیسا کہ پاک رکھنے کا حق تھا"۔

اس زیارت میں لفظ "ابناء" جمع کے ساتھ آیا ہے جو دو سے زیادہ بچوں پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا مفہوم خاص صلبی فرزند ہے، احتمال موجود ہے کہ یہ سب باقی بچنے والوں پر اطلاق کیا جائے لیکن یہ احتمال لفظ "ابناء" کا فرزندان صلبی پر اطلاق ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

عبارت "وعلی عترتک" علی اکبر علیہ السلام کے صاحب خانوادہ ہونے پر دلالت رکھتی ہے۔ عترت خانوادے اور اولاد کے معنی میں ہے۔ اگر علی اکبر علیہ السلام کے اولاد نہ ہوتی تو یہ بات کبھی بھی ایک ایسے امام معصوم کے کلام میں وارد نہ ہوتی جو فن بلاغت اور تقاضائے حال سے واقف ہے۔

ابن قولویہ نے یہ روایات کامل الزیارات میں صحیح سند کے ساتھ ثقہ راویوں سے نقل کی ہے من جملہ علی بن مہزیار جو کامل طور پر امام تقی الجواد علیہ السلام کے یہاں قابل وثوق فرد ہیں۔ اس کی دلیل امام کا وہ خط ہے جو امام نے علی بن مہزیار کو تحریر فرمایا تھا: "بے شک میں نے تجھے خدمت واطاعت میں آزمایا ہے، اگر میں کہوں کہ میں نے تجھ جیسا شخص نہیں دیکھا تو مجھے امید ہے کہ میں اس کلام میں حق بجانب ہونگا"۔

دوسرے راویوں میں ابن ابی عمیر جیسے ثقہ راوی ہیں۔ ان کے شیعہ ہونے کے

جرم میں ہارون رشید نے سندی بن شاہک کو حکم دیا تھا کہ انہیں ایک سو بیس تازیانے مارے۔ اس کے بعد انہیں زندان میں ڈال دیا گیا اور جب تک انہوں نے ۱۲۰ دینار نہ دیے، رہا نہ کیا۔[1]

---

[1] مترجم عرض کرتا ہے: امام حسین علیہ السلام نے اپنے تمام بیٹوں کا نام علی رکھا، اس میں ایک راز پوشیدہ ہے نیز پیروان اہل بیت علیہم السلام کے لیے ایک گرانبہا درس بھی۔ تاریخ کی تحقیق سے اس نام گزاری کی اصل وجہ ہمارے سامنے واضح ہو جاتی ہے۔ امویوں نے ایسی سیاست اپنائی جس میں وصی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت پر حملے کیے گئے، یہاں تک کہ حکم صادر ہوا کہ منبروں پر علیٰ الاعلان علی علیہ السلام پر لعن اور سب وشتم کیا جائے۔ یہ سلسلہ منظم انداز میں ایک صدی تک چلتا رہا یہاں تک کہ عالم اسلام کے شرق وغرب میں ہر جگہ منبروں پر علی علیہ السلام پر لعن کی ہوتی رہی۔ (نقش عائشہ در اسلام: ج ۳، ص ۲۷۹) مکہ ومدینہ جیسے مقدس ترین شہروں میں بھی امام پر لعن کی جاتی۔ فقط سیستان ایسا علاقہ تھا جس نے معاویہ کے حکم سے سرپیچی کی اور وہاں کے افراد نے ایک دفعہ کے علاوہ امام پر منبر پر جا کر لعنت نہیں کی۔ (معجم البلدان: ج ۵، ص ۳۸) کاسہ لیس خطیبوں کو کوئی حیا نہ تھی وہ خاندان علوی کے سامنے بھی امام پر لعنت کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ علامہ سید مرتضیٰ عسکری رحمہ اللہ نے یہ واقعہ ابن حجر سے نقل کیا ہے: ایک مجلس میں امام حسن علیہ السلام بھی موجود تھے، عمرو عاص منبر پر چڑھا اور امیر المومنین علیہ السلام کو ناسزا کہنے لگا۔ اس کے بعد مغیرہ نے بھی یہی کام کیا۔ اس وقت امام حسن علیہ السلام کو مشورہ دیا گیا کہ وہ بھی منبر پر تشریف لے جائیں اور ان دونوں کا جواب دیں۔ امام منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور حمد وثنائے الٰہی کے بعد ان دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں کہ کیا تمہیں وہ واقعہ یاد نہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سوار، اس کی لگام تھامنے والے اور اس کے آگے چلنے والے پر لعنت کی تھی؛ وہ سوار ابوسفیان تھا، اور اس کے آگے چلنے والا اور مرکب کو ہانکنے والا معاویہ اور یزید تھے؟

امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد بھی یہ بغض ختم نہ ہو سکا۔ بغض حیدر علیہ السلام کے ماروں نے اپنے پیروکاروں کو بھی یہ وصیت کر دی کہ اپنے بچوں کا نام علی نہ رکھیں بلکہ علی علیہ السلام کے

قاتل عبد الرحمن بن ملجم کا انتخاب کریں۔ ان حالات کے پیش نظر قدرتی بات تھی کہ اولاد علی علیہ السلام اس حوالے سے عکس العمل کا اظہار کرے۔

امام حسین علیہ السلام نے اس وقت کی حاکم فضا کو مسترد کرتے ہوئے اپنے تمام بیٹوں کے نام علی رکھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے امام سجاد علیہ السلام سے کہا تھا: کیا تو علی بن الحسین علیہما السلام ہے؟ امام نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: کیا خدا نے علی بن الحسین علیہما السلام کو قتل نہیں کیا؟ امام نے فرمایا: میرے ایک بھائی تھے جن کا نام بھی علی تھا، لوگوں نے انہیں قتل کیا ہے۔ (شرح الاخبار: ص ۱۰۳)

یہاں پر پیروان امام حسین علیہ السلام کے لیے جو نکتہ پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ امام امیر المومنین علیہ السلام کے حقیقی عاشق غافل نہ ہوں اور ان کے اور ان کے بچوں کے مقدس اور فرحت بخش ناموں کے علاوہ اپنے بچوں کے لیے دوسرے نام انتخاب نہ کریں۔ گو کہ ہر ایک اپنے بچوں کے نام رکھنے میں آزاد ہے لیکن انصاف سے بتاؤ کیا وہ شخص جو علی اور اولاد علی علیہم السلام کی شفاعت کا امیدوار و طلبگار ہو، کیا وہ ان کے مبارک ناموں کے سوا کوئی اور نام منتخب کر سکتا ہے؟ (علی اکبر شبیہ المصطفیٰ: ص ۱۵۲)

لقب علی الاکبر علیہ السلام

یہ علی لقب اکبر سے ملقب ہوئے کیونکہ آپ امام زین العابدین علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے۔ امام سجاد علیہ السلام نے یہ بات اس وقت بیان کی جب ابن زیاد ملعون نے ان سے پوچھا: کیا خدا نے علی کو قتل نہیں کیا؟ امام سجاد علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: میرا علی نام کا ایک بڑا بھائی بھی تھا اور تم لوگوں نے اسے قتل کیا ہے۔[1]

مورخین کے ایک گروہ نے امام سجاد علیہ السلام کو علی اصغر جبکہ اس شہید بزگوار کو علی اکبر کے نام سے یاد کیا ہے؛ من جملہ:

ا۔ ابن جریر طبری نے تاریخ الامم والملوک: ج۶، ص ۲۶۰ میں کہا ہے: حمید بن مسلم کہتا ہے: میں نے علی بن الحسین الاصغر کو دیکھا جب وہ بیمار تھے۔ کتاب المنتخب جو تاریخ طبری: ج ۱۲، ص ۱۹ کے حاشیے پر ہے، اس میں منقول ہے: علی اکبر امام حسین علیہ السلام کے بیٹے تھے، ان کی نسل باقی نہیں رہی، اور علی اصغر کی والدہ ام ولد تھیں۔ اسی کتاب کے صفحہ ۸۸ پر کہتا ہے: علی اکبر اپنے والد کے ساتھ نہر فرات کے کنارے کربلا میں شہید ہو گئے، ان کی کوئی اولاد نہیں تھی، علی اصغر بھی اپنے والد کے ہمراہ کربلا میں موجود تھے، ان کی عمر ۲۳ سال تھی اور وہ بیمار تھے۔

۲۔ ابن قتیبہ المعارف: ص ۹۳ پر کہتا ہے: علی اکبر بن امام حسین علیہ السلام، کی والدہ ابو مرہ کی بیٹی تھیں۔ علی اصغر کی والدہ ام ولد تھیں۔ صفحہ ۹۵ پر کہتا ہے: امام الحسین علیہ السلام کے یہاں علی اصغر کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں بچا۔

۳۔ دینوری الاخبار الطوال: ص ۲۵۴ میں کہتا ہے: ان کے بارے میں ہم اس

---

[1] طبری منتخب میں ج ۱۲، ص ۸۹؛ ابن کثیر بدایہ ج ۹، ص ۱۰۳؛ دمیری حیاۃ الحیوان مادہ بغل۔

سے قبل بھی بات کر چکے ہیں۔ وہ صفحہ ۲۵۶ پر کہتا ہے: روز عاشورا امام حسین علیہ السلام کی اولاد، اصحاب، اور ان کے بھائیوں کے بچوں میں سے کوئی بھی نہیں بچا سوائے علی اصغر کے جو نوجوان تھے۔

۴۔ یعقوبی اپنی تاریخ: ج ۲، ص ۹۴ طبع نجف میں کہتا ہے: امام حسین علیہ السلام کی علی اصغر کے علاوہ اور کوئی اولاد باقی نہیں بچی۔

۵۔ قرمانی اپنی تاریخ: ص ۱۰۸ پر کہتا ہے: شمر نے بیمار علی اصغر کو قتل کرنے کی کوشش کی۔

۶۔ دمیری حیاۃ الحیوان میں مادہ بغل میں کہتا ہے: علی اصغر زین العابدین کے لقب سے ملقب تھے۔ ان کے علی اکبر نامی ایک بڑے بھائی تھے جو اپنے والد کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

۷۔ سہیلی الروض الانف: ج ۲، ص ۳۲۶ میں کہتا ہے: علی اکبر کربلا میں اپنے والد کے ساتھ قتل کر دیے گئے، لیکن علی اصغر قتل نہیں ہوئے۔ ان کی والدہ سلافہ بنت یزدگرد تھیں۔

۸۔ شعرانی لواقح الانوار: ج ۱، ص ۲۳ میں کہتا ہے: امام حسین علیہ السلام کے علی اکبر و علی اصغر نامی بیٹے تھے۔ امام حسین علیہ السلام کی نسل علی اصغر سے باقی ہے۔

۹۔ سبط ابن جوزی تذکرۃ الخواص: ص ۱۵۶ میں کہتا ہے: علی اکبر اپنے والد کے ساتھ شہید ہو گئے جبکہ علی اصغر جو زین العابدین ہیں، ان سے ان کے والد کی نسل آگے چلی۔

۱۰۔ ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ: ج ۹، ص ۱۰۳ پر کہتا ہے: علی بن الحسین جو زین العابدین کے لقب سے مشہور ہوئے، ان کے ایک بڑے بھائی بھی تھے جن کا نام اکبر تھا۔ انہیں بھی علی ہی کہا جاتا ہے اور وہ اپنے والد کے ساتھ قتل ہو گئے تھے۔

۱۱۔ دیار بکری تاریخ الخمیس: ج ۲، ص ۳۱۹ میں کہتا ہے: علی اصغر وہی زین العابدین ہیں جن کی عمر ۲۳ سال تھی اور علی اکبر اپنے والد کے ساتھ قتل ہو گئے تھے۔

۱۲۔ ابن خلکان وفیات الاعیان: ج ۱، ص ۳۴۷ طبع ایران میں کہتا ہے: زین العابدین کو علی اصغر کہتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کی نسل فقط انہی کے توسط سے باقی رہی۔

۱۳۔ صبان اسعاف الراغبین در حاشیہ نور الابصار: ص ۱۹۴ میں کہتا ہے: امام حسین علیہ السلام کی جملہ اولاد میں سے علی اکبر و علی اصغر ہیں۔ امام کی نسل علی اصغر سے باقی رہی۔

۱۴۔ حافظ علی بن محمد بن علی خزار رازی قمی کفایۃ الاثر: ص ۳۱۸ کے اس نسخے میں جو اربعین مجلسی اور خرائج راوندی سے ملحق ہے، امامت امام سجاد علیہ السلام پر امام حسین علیہ السلام سے مروی نص امامت کے حصے میں کہتے ہیں: عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کہتا ہے: میں امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ علی اصغر آئے۔ امام نے انہیں اپنے پاس بلایا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور اس کے بعد ان کی اور امام باقر علیہ السلام کی امامت کی تصریح فرمائی۔

۱۵۔ مجالس صدوق: ص ۹۳، مجلس ۳۰ میں امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے: امام حسین علیہ السلام اپنے بیٹوں علی اکبر و علی اصغر کے ساتھ کربلا تشریف لائے۔

۱۶۔ شبلنجی نور الابصار: ص ۱۹۴ میں کہتا ہے: امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک علی اکبر علیہ السلام ہیں جو کربلا میں اپنے والد کے ساتھ شہید ہوئے اور دوسرے بیٹے علی اصغر زین العابدین علیہ السلام ہیں۔

۱۷۔ شیخ فخر الدین طریحی منتخب: ص ۲۰ طبع ہند میں امام سجاد علیہ السلام کا نام علی اصغر اور کربلا میں شہید ہونے والے بیٹے کا نام علی اکبر علیہ السلام رقم کرتے ہیں۔

یہ وہ مورخین تھے جنہوں نے امام سجاد علیہ السلام کو علی اصغر کے نام سے یاد کیا اور ساتھ ہی تصریح بھی کی کہ وہ علی اکبر علیہ السلام سے عمر میں چھوٹے تھے۔ دوسرے گروہ نے علی اکبر علیہ السلام کے بڑے ہونے اور ان کے کربلا میں شہید ہونے کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے اور امام زین العابدین علیہ السلام کے چھوٹے ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ من جملہ:

۱۸۔ ابن اثیر الکامل: ج ۴، ص ۳۰ میں کہتا ہے: آل ابی طالب میں سے پہلے شہید علی اکبر علیہ السلام تھے جن کی والدہ لیلیٰ ہیں۔

۱۹۔ مسعودی مروج الذھب: ج ۲، ص ۱۹۱ اور کتاب التنبیہ والاشراف: ص ۲۶۳ میں کہتا ہے: حسین علیہ السلام کے ساتھ علی اکبر علیہ السلام شہید ہوئے۔

۲۰۔ ابن الصباغ الفصول المہمہ: ص ۲۰۹ طبع ایران میں کہتا ہے: حسین علیہ السلام کے ساتھ علی اکبر علیہ السلام شہید ہوئے۔

۲۱۔ ابن العماد شذرات الذھب: ج ۱، ص ۶۶ میں کہتا ہے: حسین علیہ السلام کے ساتھ ان کے دو بیٹے علی اکبر علیہ السلام اور عبد اللہ (رضیع) علیہ السلام شہید ہوئے۔

۲۲۔ محب طبری ذخائر العقبیٰ: ص ۱۵۱ میں کہتا ہے: علی اکبر علیہ السلام اپنے والد کے ساتھ شہید ہوئے۔

۲۳۔ رشید وطواط غرر الخصائص: ص ۲۲۹، باب ۱۱، فصل ۲ میں کہتا ہے: (بنی ہاشم) کے پہلے شہید علی اکبر علیہ السلام تھے۔

۲۴۔ شبراوی الاتحاف بحب الاشراف: ص ۴۷ میں کہتا ہے: علی اکبر علیہ السلام اپنے والد کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

۲۵۔ مکتب تشیع کے عظیم عالم شہید اول الدروس کے حصہ مزار میں کہتے ہیں: پھر علی بن الحسین علیہما السلام کی زیارت کر جو صحیح نظر کے مطابق امام زین العابدین علیہ السلام سے بڑے تھے۔

۲۶۔ میرزا ابو القاسم طہرانی مشہور بہ سید العلماء شرح زیارت عاشورا: ص ۳۵۴ طبع بمبئی میں کہتے ہیں: مورخین کی نظر میں زیادہ صحیح یہی ہے کہ کربلا میں قتل ہونے والے علی اکبر علیہ السلام تھے۔

۲۷۔ ابن ادریس حلی السرائر کے حصہ مزار میں علی اکبر علیہ السلام کو بڑا بیٹا ماننے کے بعد کہتے ہیں: بلاذری، عمری نسب شناس، ابن ابی الازہر کتاب الفاخر میں، ابو علی ابن ہمام کتاب الانوار میں اور ان جیسے دوسرے تاریخ و نسب شناس علماء کی بھی یہی نظر ہے (کہ علی اکبر علیہ السلام بڑے بیٹے تھے)

۲۸۔ شیخ بزرگوار علامہ میرزا محمد علی اردوبادی کتاب النفحۃ العنبریہ جو کہ نسب شناسی کے حوالے سے لکھی گئی ہے نیز مفتاح النجا فی مناقب آل العبا تالیف حارثی بدخشی اور تذکرۃ الائمہ تالیف محمد باقر لاہیجی وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے مذکورہ نظر کو ہی قبول کرتے ہیں۔

اس گروہ کے برخلاف شیخ مفید الارشاد میں اور طبرسی اعلام الوریٰ میں معتقد ہیں کہ کربلا میں شہید ہونے والے علی اصغر ہیں جبکہ علی اکبر کی والدہ کسریٰ یزدگرد کی بیٹی تھیں جن کا نام شاہ زنان تھا۔ مدرک کے موجود نہ ہونے اور صاحبان نظر و اہل خبر افراد کے اس نظریے سے اعراض کرنے کی بنا پر صحیح بات یہی ہے کہ کربلا میں علی اکبر علیہ السلام ہی شہید ہوئے تھے۔ لیکن ابن شہر آشوب نے کتاب المناقب، ابن طلحہ شافعی نے مطالب السؤول: ص ۷۳ اور ابن صباغ مالکی نے الفصول المہمہ میں امام زین العابدین علیہ السلام کو علی اوسط کہا ہے۔ یعنی امام حسین کے علی نام کے تین بیٹے تھے۔ البتہ یہ ہمارے کہے کے مخالف نہیں (یعنی شہید کربلا علی اکبر علیہ السلام تھے اور امام زین العابدین علیہ السلام ان سے چھوٹے تھے) البتہ بقیہ افراد کا اس بات سے اعراض برتنا کہ امام حسین علیہ السلام کے علی نام کے تین بیٹے تھے، اس نظر کو قبول کرنا مشکل بنا دیتا ہے۔ ہر چند کہ

اربلی نے کشف الغمہ میں اسے قبول کیا ہے۔ اس نظر کو قبول کرنا اس لیے مشکل ہے کیونکہ نسب شناس اور مورخین امام حسین علیہ السلام کے (علی نام کے) دو بیٹوں یعنی علی اکبر و علی اصغر کے قائل ہیں اور علی اصغر امام سجاد علیہ السلام ہی ہیں۔ نیز عبد اللہ شیر خوار اور جعفر نامی بیٹے بھی تھے جو والد کی زندگی میں ہی دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ ایسے ہی آج تک یہ بھی روشن نہ ہو سکا کہ امام حسین علیہ السلام کی فاطمہ و سکینہ نامی بیٹیوں کے علاوہ بھی کوئی بیٹی تھی؟ علامہ مجلسی نے جس فاطمہ نامی بیمار بیٹی کا ذکر بحار الانوار کی جلد ۱۰ (طبع کمپانی) میں علمائے شیعہ میں سے کسی ایک کی کتاب سے کیا ہے، تو اس کتاب کے مؤلف کا مشخص نہ ہونا اور نسب شناسوں اور مورخین کی اس موضوع کی جانب عدم توجہ کی وجہ سے اس معاملے میں سکوت اختیار کرتے ہوئے کسی نظر کا اظہار نہ کرنا ہی بہتر ہے۔[1]

ہم نے اس عنوان کے آغاز میں بیان کیا تھا کہ امام سجاد علیہ السلام نے ابن زیاد سے فرمایا تھا: میرے ایک بڑے بھائی تھے جنہیں تم نے قتل کیا۔ ابن زیاد نے کہا: ہم نے نہیں بلکہ خدا نے اسے قتل کیا۔ امام سجاد نے فرمایا:

---

[1] مترجم کہتا ہے: تاریخ کی یہ مشکل فقط امام حسین علیہ السلام کی اولاد بالخصوص بیٹیوں کی تعداد کے حوالے سے ہی نہیں بلکہ یہ تمام معصومین علیہم السلام کی اولاد کی تعداد کے تشخص و تعدد تک پھیلی ہوئی ہے. لکھنے والے وہ تمام روایات لکھ گئے جو اُن تک پہنچیں، اور ان مختلف روایات کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں جن کے بیان کا یہ محل نہیں. اس حوالے سے نظر صواب یہی ہے کہ اگر کوئی شخص تحقیق کرنے کا جگرا رکھتا ہو تو اس میدان میں اترے اور دلیل سے طرف مقابل کا قول رد اور اپنی نظر کا اثبات کرے اور اگر وہ اس کی قابلیت نہ رکھتا ہو نیز علمی مباحث اس کے حیطہ قدرت سے خارج ہوں تو پھر ان افراد کی رائے پر تکیہ کرے جو اس میدان کے شہسوار رہے ہیں.

(اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا) "خداوند متعال موت کے وقت ان کی روح قبض کرتا ہے"۔[1]

یہ بات بھی بیان سے خالی نہ رہے کہ یہ گفتگو ابن زیاد کے اس حکم کے بعد تھی جس میں اس نے اہل بیت اور خاندان نبوت کو دار الحکومت میں داخل کرنے کا کہا تھا۔ وہاں لوگوں کو عام دعوت تھی تا کہ وہ اس مجلس میں حاضر ہوں۔ کتنا غم انگیز ہے اہل بیت علیہم السلام کی اس قید کا ماجرا جسے شاعر نے یوں قلمبند کیا ہے:

مغلولة الایدی الی الاعناق	تسبی علی عجف من النیاق
حاسرة الوجه بغیر برقع	لا ستر غیر ساعد و أذرع
قد ترکت عزیزها علی الثری	و خلفته فی الهجیر و العری
ان نظرت لها العیون ولولت	ان نظرت الی الرؤوس اعولت
تود ان جسمها مقبور	و لا یراها الشامت الکفور

خاندان نبوت کے ہاتھوں کو ہتھکڑیوں اور زنجیروں سے گردن سے باندھ رکھا تھا اور انہیں برہنہ اونٹوں پر سوار کر کے قیدی بنا لیا گیا تھا۔ ان کے چہرے بنا حجاب کے تھے اور ان کے پاس ہاتھ اور بازوؤں کے چھپانے کی اور کوئی چیز نہیں تھی۔ انہوں نے اپنے عزیز کربلا کے جلتے صحرا میں چھوڑے تھے۔ اگر آنکھ ان کو دیکھتی تو واویلا کی صدا بلند کرتی اور اگر ان کے تن سے جدا سر دیکھتے تو آسمان تک ایک شور و شیون بلند ہوتا۔ اس غم و اندوہ اور مصیبت میں خاندان رسالت موت کی آرزو کرتا تھا تا کہ یہ ملامت کرنے والے کافر انہیں نہ دیکھتے۔[2]

---

[1] زمر: ۴۲۔

[2] حجۃ الاسلام شیخ ہادی آل کاشف الغطاء کتاب المقبولۃ الحسینیۃ: ص ۶۳ میں کہتے ہیں میں نے ان (اعلی اللہ مقامہ) سے سنا: جب میں نے مذکورہ بالا اشعار انشاء کیے تو چاہتا تھا کہ ان کی اصلاح

جب عقیلہ آل محمد ﷺ زینب کبریٰ علیہا السلام مجلس میں داخل ہوئیں تو وہ خواتین سے جدا ہو کر ایک طرف کو ہو گئیں، ان کی کنیزوں نے ان کے گرد گھیرا بنا لیا۔ اس مخدرہ سے جلالت نبوت اور شان امامت اس طرح نمایاں تھی کہ ابن زیاد ان کی جانب متوجہ ہوا، اس نے پوچھا: یہ اجنبی خاتون جو بقیہ خواتین سے ایک طرف ہو گئی ہے، کون ہے؟ بتایا گیا: یہ امیر المومنین علیہ السلام کی بیٹی ہے!

ابن زیاد نے چاہا کہ ان کے زخموں پر اور نمک چھڑکے، لہٰذا اس نے کہا: اس خدا کی حمد جس نے تمہیں ذلیل و رسوا کیا، تمہیں قتل کیا اور تمہارے دعوے کو جھوٹا کر دکھایا۔ اس وقت بنت حیدر کرار علیہا السلام نے ان سختیوں کے بارے میں کلام نہیں کیا جو دیکھیں تھیں نیز ان مصیبتوں کی بابت کوئی حرف زبان پر نا لائیں جو بچوں کو بوڑھا اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیں۔ ہاں زینب علیہا السلام عبد المطلب کے خاندان کے وہ پاک اجسام بنا غسل و کفن کے زمین کربلا پر چھوڑ آئی تھی، ٹکڑے ہوئے ابدان جو صحرا کی تپتی اور گرد آلود زمین پر پڑے تھے اور ان کے درمیان جوانان جنت کے سردار (کا لاشہ) بھی تھا۔

غسلة دماؤه قلبته ارجل الخيل كفنته بالرمول

کروں جیسے ہی میں نے آخری بیت لکھا تو ساتھ ہی یہ بیت بھی لکھا ہوا دیکھا: ((وهی بها ستار من الانوار۔ تحجبها عن اعين النظار)) یعنی نوری حجابوں نے انہیں لوگوں کی آنکھوں سے چھپا رکھا تھا۔ شیخ نے یہ شعر دیکھا کر تعجب کیا کیونکہ انہوں نے یہ شعر کہا ہی نہیں تھا، شعر کو مٹا دیا لیکن جب دوبارہ اپنے لکھے کی جانب رجوع کیا تو پھر اس شعر کو لکھا ہوا پایا، اس وقت وہ یقین کر لیتے ہیں کہ یہ کوئی غیبی امر ہے کہ مومن اس کا انکار نہیں کرے گا۔ اور یہ بات امام زمانہ علیہ السلام سے کوئی تعجب خیز نہیں کہ انہوں نے یہ شعر لکھا ہو۔ یہ بات ناشر کتاب المقبولۃ الحسینیہ نے اس گفتار میں بیان کی ہے جو انہوں نے اس کتاب کے ساتھ ملحق کی ہے۔

اپنے ہی خون سے غسل کیا اور گھوڑوں کے سموں نے اس کا بدن کچل دیا اور گرم ریت اس کا کفن ہوئی۔

زینب علیہا السلام بلا دیکھے کنبے کی سرپرست ہو گئیں، وہ افراد جن کی خواتین گریاں اور جن کے بچوں کی فریادِ تشنگی آسمانوں کو چھو رہی تھی۔ ان کی اہم ترین ذمہ داری امام سجاد علیہ السلام کی حمایت اور حفاظت کرنا تھا۔ ان کے سامنے خورشید امامت اور خلقت کی علت غائی اور کاروان اسارت کے دوسرے چمکتے ستاروں کے سر تھے۔ علاوہ بریں کہ سید سجاد علیہ السلام بیماری میں مبتلا تھے بھاری زنجیر و ہتھکڑیوں سے جکڑے ہوئے بھی تھے۔

ان مصیبتوں میں سے کوئی ایک بھی انسان کے سینے کو جلانے اور شیر نر کو عجز و ذلت سے دوچار کرنے کے لیے کافی ہے، لیکن یہ علی علیہ السلام کی بیٹی زینب علیہا السلام ہیں، اسی شخص کی بیٹی جس نے عمرو بن عبدود کو خاک چٹادی اور باب خیبر کو اکھاڑ پھینکا، وہ بیٹی جو یقین، وقار، اطمینان اور بصیرت عمیق کا سمندر تھی۔ یہ تعجب کا مقام نہیں کیونکہ یہ عظیم خاتون ان دو اماموں کے ساتھ جو جوانان جنت کے سردار ہیں دامن عصمت و طہارت و قداست الٰہیہ اور تربیت علویہ کی پروردہ تھی۔

اس عظیم ہستی کی شان میں یہی کافی ہے کہ اسے علم و ذکاوت بارگاہ پروردگار سے حاصل ہوئی نہ کہ کسی استاد کی شاگردی اور تعلیم حاصل کرنے سے بلکہ انہیں یہ سب ویسے ہی ملا جیسا کہ امام سجاد علیہ السلام نے ان کی شان میں فرمایا: اے پھوپی اماں! بحمد اللہ آپ عالمہ غیر معلمہ اور فہمہ غیر مفہمہ ہیں۔[1]

اور جب وہ اپنے بھائی کے لاشے پر کھڑی ہوئیں تو گویا ہوئیں: ''اللھم تقبل منا ھذا القربان...''

[1] احتجاج طبرسی: ص ۱۶۶.

ان کی عظمت رفیع ہمیں بتاتی ہے کہ ان سے ان کے بھائی حسین علیہ السلام کی طرح ہی اس مقدس تحریک کے لیے پیمان لیا گیا تھا، ہر چند کہ ان دونوں بزرگ ہستیوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ جس طرح سید الشہداء علیہ السلام نے اپنی شہادت کے ذریعے اپنے عہد و میثاق پر عمل کیا ویسے ہی ان کی خواہر عزیز نے اس پر عمل کیا جو ان پر واجب تھا۔ من جملہ بارگاہ خدا میں اپنی قربانی کو تقدیم کرنا، خدائے متعال کے مقام و عظمت کی معرفت کروانا اور اس تحریک میں ہر وہ کام انجام دینا جو ان پر واجب تھا کیونکہ ان دونوں بہن بھائی کا نور وجود اور خمیر ایک ہی منبع سے تھا۔

وہ مجلس جو ابن زیاد نے برپا کر رکھی تھی ان مصیبتوں کے ساتھ جو ان پر ٹوٹ پڑی تھیں، (اس میں) زینب علیہا السلام نے ابن زیاد کی توہین کا جواب تلوار کی کاٹ سے زیادہ تیز کلام سے دیا گویا وہ اپنے والد امیر المومنین علیہ السلام کی زبان میں بات کر رہی ہوں۔ فرمایا: یہ وہ گروہ تھا جس کے لیے خدا نے قتل ہونا لکھ رکھا تھا اور وہ اپنی آرام گاہوں کی طرف لوٹ گئے، بہت جلد خدا تجھے اور انہیں ایک مقام پر اکٹھا کرے گا اور تجھ سے سوال و جواب ہوں گے، اس وقت دیکھنا کہ کون کامیاب ہوتا ہے، اے ابن مرجانہ تیری ماں تیرے غم میں روئے!

اس طرح اس بی بی نے اس کی پست طینت کو اس غفلت زدہ مجمع کے سامنے آشکار کر دیا اور اسے رسوا کر کے رکھ دیا۔ کوفے میں ان کے خطبے نے عقول و افکار کو حیران کر دیا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے لوگوں کی جانب اشارہ کیا، سب خاموش ہو گئے، گویا ان کے سانس بھی ان کے سینوں میں پھنس کر رہ گئے تھے، یہ اس بی بی کا اعجاز تھا اور یہ وہی ہیبت الٰہی اور جلال محمدی تھا جس نے ان کی آوازوں کو دبا دیا تھا۔ اس وقت علی علیہ السلام کی اس بیٹی نے اپنا شعلہ بیان خطبہ نہایت متانت، مضبوط و قوی دل اور بے مثال شجاعت کے ساتھ شروع کیا۔

اگر آپ چاہیں تو اس خطبے کو ادبی شاہکار بلکہ معجزہ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہاتھوں میں نیزے تھامے درندہ صفت دشمنوں کے درمیان بنو امیہ کے کیے کرائے کو طشت ازبام کر کے انہیں ہمیشہ کے لیے رسوا کر گیا۔ اس صورت سے کہ لوگ شرمسار اور ششدر کھڑے رو رہے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ کس طرح اپنے دامن پر لگے سلالہ نبوت، معدن رسالت اور جوانان جنت کے سردار کے خون کی رسوائی کو صاف کریں، کیونکہ اب ان کی کوئی بھی کوشش ثمر آور نہیں تھی؛ یہ تجارت میں اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اور خدا کا غضب اور آخرت کی رسوائی خرید چکے تھے اور کاش کہ یہ جانتے کہ آخرت میں عذاب الٰہی بڑا سخت و شدید ہے۔

نفس قدسی، ایمان کامل، اور قابلیت ولیاقت کی وجہ سے زینب علیہا السلام اسرار الٰہیہ کی حامل اور کربلا کے بعد ان مواقع میں جہاں لازم ہوا امام اور حجت الٰہی کے بعض وظائف کی ذمہ دار ہوئیں، اس صورت سے کہ لوگ بعض شرعی احکام میں ان کی جانب رجوع کرتے تاکہ امام سجاد علیہ السلام دشمنان کینہ توز سے امان میں رہیں۔

احمد بن ابراہیم کہتا ہے: میں نے حکیمہ خاتون بنت امام جواد علیہا السلام سے ان ائمہ کے بارے میں پوچھا جن کی اطاعت کی جاتی ہے۔ انہوں نے ان کے نام لیے یہاں تک کہ حجت ابن الحسن علیہما السلام تک پہنچیں اور ان کا نام لیا۔ ان کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا: وہ غیبت میں ہیں۔ میں نے پوچھا: پھر شیعہ کس کی پناہ حاصل کریں؟ فرمایا: ان کی دادی امام حسن عسکری علیہ السلام کی والدہ کی۔ میں نے کہا: کیا آپ مجھے حکم دیتی ہیں کہ میں ایک خاتون کو اپنا امام بناؤں؟ فرمایا: یہ امام حسین علیہ السلام کی اقتداء کرنا ہے جنہوں نے ظاہر میں اپنی بہن زینب علیہا السلام کو وصیت کی، امام سجاد علیہ السلام کے علوم جناب زینب علیہا السلام کی زبان سے خارج ہوتے تھے تاکہ امام زین العابدین علیہ السلام محفوظ رہ سکیں۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب زینب علیہا السلام مدینے واپس لوٹنے کے بعد اس روایت میں بیان امر کے تحقق کی خاطر مدتوں شیعوں کی مرجع رہیں۔[1]

اور یہی وجہ تھی کہ شہید عزت ودین نے عراق کا سفر اختیار کرتے ہوئے اپنی بہن کو اپنے ہمراہ رکھا تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جس ہدف کی خاطر وہ اپنی جان قربان کررہے ہیں بنی امیہ کے ظالم وستمگار حاکم اپنے جھوٹے پروپیگنڈے سے اسے مٹا دیں گے۔ اگر ان کی رزم کے ساتھ ان کی بہن کی گویا اور آب دار زبان نہ ہوئی تو حقیقت ہمیشہ کے لیے چھپادی جائے گی۔ یہاں تک کہ قبیلوں کے سردار بھی ان سخت حالات میں جن میں اہل بیت علیہم السلام کو تلوار وستم کے محاصرے میں لے رکھا تھا کچھ بولنے کا یارا نہ رکھتے۔

اس وقت فقط عقیلہ بنی ہاشم علیہا السلام تھیں جنہوں نے ابن مرجانہ اور یزید کے ظلم و جنایات سے پردہ اٹھایا۔ اس بات کی دلیل قبیلہ ازد کے سردار کا ابن زیاد پر اعتراض کرنا ہے، جنہیں مسجد سے باہر نکال دیا گیا اور ان کے گھر میں ان کے قبیلے کی حمایت کے باوجود بھی ابن زیاد کے حکم سے قتل کردیا گیا۔

دشمن سے جہاد کرنا عورتوں پر ساقط ہے اور شریعت کے حکم کے مطابق ان پر گھر میں رہنا لازم ہے۔ لیکن یہ اس وقت تک ہے جب شریعت کی قداست کے دفاع کی ذمہ داری نبھانے کے لیے مرد موجود ہوں لیکن اگر دین وحق کا قیام فقط خاتون کی مدد پر منحصر ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس کی خاطر قیام کرے تاکہ آثار دین کے برباد ہونے اور اس کے احکامات کے پائمال ہونے کی راہ میں مانع ہو اور اپنا خون دینے والے ان پاک ومطہر افراد کے لہو کو رائیگاں جانے سے بچائے۔

---

[1] اکمال الدین صدوق: ص ۲۶۵؛ غیبت طوسی: ص ۱۴۸

یہی وجہ ہے کہ عالمین کی خواتین کی سردار جناب فاطمہ زہراء صدیقہ اطہر علیہا السلام نے خلافت کبریٰ الٰہی کا دفاع کیا، کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام سے سکوت کا وعدہ لیا جا چکا تھا۔ فاطمہ علیہا السلام نے مسجد نبوی میں مہاجرین و انصار کے اس جمع غفیر کے درمیان بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔

امام حسین علیہ السلام کو اپنے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے ملنے والی خبروں پر یقین تھا۔ (آپ جانتے تھے) دشمن اگر پستی کی حد کو چھوتے ہوئے غیرت کو بلائے طاق اٹھا کر رکھ دے تب بھی حرم اہل بیت علیہم السلام کی جانب دست درازی نہیں کرے گا، لہٰذا الوداعی ملاقات میں فرمایا:

محرومیت کا لباس پہن لو اور مشکلات و مصائب کے لیے تیار ہو جاؤ اور جان لو کہ خداوند متعال تمہارا حامی و حافظ ہے، وہ تمہیں دشمن کے شر کے نجات دے گا، تمہارے کام کا انجام اچھا ہو گا، تمہارے دشمنوں کو مختلف قسم کے عذاب میں مبتلا کرے گا اور ان مشکلات کے مقابل تمہیں انواع و اقسام کی نعمات و کرامات سے نوازے گا، سو شکوہ و شکایت نہ کرو اور جو کلام تمہاری قدر و قیمت کم کر دے اسے زبان پر جاری نہ کرو۔[1]

اس قسم کا شیوہ اس وقت اخذ ہو گا جب ہم خدانخواستہ امام حسین علیہ السلام کی امامت کے معتقد نہ ہوں۔ لیکن ہمیں اس علم امام کے سامنے جو ماضی و مستقبل کو شامل ہے اور گفتار و کردار میں ان کی وہ عصمت جس میں خطا و غلطی کو راہ نہیں ہے، خاضع ہوتے ہوئے قبول کرنا چاہیے کہ جو کچھ بھی امام سے صادر ہوتا ہے وہ مشیت ربانی اور مصالح الٰہیہ کی بنا پر ہے، جن میں شک و تردید کو راہ نہیں اور ہمارے پاس ان کی تصدیق کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں اور لازم نہیں کہ ہم اس کی مصلحت اور حکمت سے

---

[1] جلاء العیون: علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ

(لازماً) آگاہ ہوں۔

یہ تمام مکلفین پر لازم ہے، کیونکہ بندوں کی خدا کے سامنے تسلیم و رضا کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں، چاہے وہ اس حکم کی علت سے آگاہ ہوں یا نہ ہوں۔ ویسے ہی جیسے یہ حالت عبد اور اس کے مولا کے رابطے میں صادق ہے۔ اس مقام پر عقل بندے کو اس کے مولا کے سامنے فرمانبردار بننے اور اس کا حکم بجالانے کا کہتی ہے۔[1]

---

1 مترجم عرض کرتا ہے: اولیائے الٰہی میں ہمیشہ جاذبہ و دافعہ کی صفات موجود ہوتی ہیں۔ جناب علی اکبر علیہ السلام میں بھی یہ دونوں صفات موجود تھیں اور وہ اس سلسلے میں اپنے جد بزرگوار امیر المومنین علیہ السلام اور والد محترم امام حسین علیہ السلام کے پیرو تھے؛ لہٰذا ان کی سیرت اور رجز خوانی میں ذرا سا تامل کر کے ہم علی اکبر علیہ السلام میں ان دو صفات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ جاذبہ کے حامل ہونے کی ایک نشانی دوسروں کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آنا، ان کی مدد اور دستگیری کرنا ہے اور اس مقام کی بلندی یہ ہے کہ اس کے وجود کا شعلہ فروزاں ہو جائے اور دوسرے اس کے واسطے سے ہدایت پائیں۔ اولاد ائمہ علیہم السلام میں سے چند افراد کو سخی اور کریم کہا گیا ہے لیکن ان میں سے کسی کے حق میں بھی صفت "نار القریٰ" یعنی شعلہ فروزاں کی صفت ذکر نہیں ہوئی سوائے علی اکبر علیہ السلام کے۔

عرب کے درمیان رائج تھا کہ تاریک راتوں میں آگ روشن کیا کرتے تھے تاکہ گزرنے والے اور شہر میں داخل ہونے والے اس آگ کے وسیلے سے راستہ ڈھونڈ سکیں اور آسانی سے اپنے مقصد تک پہنچ جائیں یا ان کے پاس بطور مہمان آئیں۔ اس آگ کو "نار القریٰ" کہتے تھے۔

(فرسان الہیجاء: ص ۲۹۷)

یہ صفت ہمیشہ شبیہ پیغمبر علی اکبر علیہ السلام سے منسوب رہی، کیونکہ وہ امام کی جانب ہدایت کرنے کے سلسلے میں چراغ ہدایت ہیں نیز اس کے علاوہ کریم، سخی اور مہمان نواز بھی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب بھی کسی کو امام حسین علیہ السلام سے کوئی کام ہوتا تو وہ علی اکبر علیہ السلام سے رجوع کرتا تھا۔

(بدرقہ جان: ص ۳۰)

صفات علی الاکبرؑ

تمہید

تمدن اور مدینہ فاضلہ کے قیام میں مکارم اخلاق اور صفات انسانی کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ اسی راہ پر چلتے ہوئے معاشرے میں آرام و سکون، امنیت پیدا ہوتی ہے اور وہ ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے نیز یہ دشمن کو تجاوز کرنے سے روکتی ہے۔ دوسری جانب اخلاقی برائیاں اور رزائل، آشوب، شرور اور اجتماعی مشکلات کا سبب بنتے ہیں جس کے نتیجے میں نعمتیں، معاشرے میں پائے جانے والے امکانات اور افرادی قوت برباد ہو جاتی ہے اور معاشرہ ہرج و مرج کا شکار ہو جاتا ہے۔

عرب زمانہ جاہلیت میں اسی شیوے پر عمل پیرا تھے۔ داخلی وسائل کے سلسلے میں مسلط کی گئی جنگیں مردوں کو کھا جاتیں جبکہ رسم جاہلیت عورتوں کو زندہ در گور کر دیتی نیز عقول پر خرافات حکومت کرتی تھیں۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے ظہور سے ان سب کو بلکہ تمام جہان کو نسیم الطاف الٰہی نصیب ہوئی۔ ان کی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور ہوئیں۔ ایک ایسا عظیم پیغمبر جو تمام صفات حمیدہ اور ملکات فاضلہ سے آراستہ تھا، اس نے بشر کو کمال کی اوج تک پہنچانے کے ہدف کو مد نظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ.

"بے شک میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کو کامل کروں"۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے عالم بشریت سے کوئی اجر طلب نہیں کیا نہ تشکر کے خواستگار

---

[1] فیض القدیر: ج ۲، ص ۵۷۲

ہوئے۔ انہوں نے فقط یہ چاہا کہ حیات بشر جاودانہ ہو جائے۔ دل آرام و سکون اور قلوب آگاہ و بصیر ہو جائیں تا کہ اپنی سعادت کو گمراہی سے جدا کر سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ اپنی صفات کریمہ اور مکارم اخلاق کو انسانوں کے سامنے پیش کیا تا کہ انسانی نسل اپنا تسلسل جاری رکھے۔ انہوں نے اپنے خلق عظیم کو پیش کیا تا کہ بشریت کی شرافت انسانی خرافات سے آلودہ نہ ہو، زمانہ جاہلیت کی رسومات دوبارہ معاشرے پر مسلط نہ ہوں اور انسانیت ہلاکت کی گھائی میں نہ جا پڑے۔ ہم اس مقام پر رسول اللہ ﷺ کے مکارم حمیدہ کے سمندر میں سے چند کا با اختصار ذکر کرتے ہیں تا کہ وہ ہماری روح کی تہذیب اور پسندیدہ اخلاق سے آراستگی کے سلسلے میں ہمارے لیے نمونہ عمل قرار پائیں۔

حلم و بردباری

رسول اللہ ﷺ جاہلوں کی جانب سے دیے جانے والے آزار اور ان کے برے کردار کے مقابل حلیم، صبور، نرم خو اور پر سکون رہنے والے تھے۔ آپ قدرت کے باوجود بھی انتقام لینے سے چشم پوشی فرماتے۔

جب غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے دانت شہید ہوئے اور چہرہ مجروح ہوا تو ان کی خدمت میں عرض کیا گیا، اگر آپ ان پر لعنت کر دیتے تو خدا انہیں ہلاک کر دیتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کلام کے کہنے والے کو خود سے دور فرماتے ہوئے کہا: مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں لعنتیں بھیجنے والا ہوں۔ خدا نے مجھے مبعوث نہیں کیا مگر اس لیے کہ میں لوگوں کے لیے رحمت بن کر رہوں اور لوگوں کو خدا کی جانب دعوت دوں۔ اس کے بعد اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر فرمایا: بار الہا! میری قوم کو ہدایت فرما، یہ نہیں جانتے کہ میں پیغمبر ہوں۔[1]

---

[1] ابن دحلان فی کتاب السیرۃ النبویہ، در حاشیہ کتاب السیرۃ الحلبیۃ: ج ۳، ص ۲۶۷.

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان فضل و احسان کے تمام مراتب کا حامل ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ آپ نے سکوت اختیار کر کے درگزر سے کام لیا اور ان کے لیے ہدایت کی دعا کی بلکہ ان کے اس عمل کے لیے ایک توجیہ بھی پیش کی اور انہیں ان کے کام میں جاہل شمار کیا۔

فتح مکہ کے بعد آپ نے تمام قریش کو جمع کیا، ان میں سے کسی کو شک نہیں تھا کہ کسی کو امان نہیں ملے گی۔ فرمایا: تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟ جواب ملا: اچھا برتاؤ اور سلوک کیونکہ تو ایک کریم بھائی اور کریم زادہ ہے۔ فرمایا: جو میرے بھائی یوسف نے کہا تھا میں بھی آج وہی کہتا ہوں۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُم اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ تم پر آج کوئی گناہ نہیں ہے، جاؤ تم سب آزاد ہو۔[1]

کسی ایک غزوے میں لشکر کفار کا غورث بن حارث نامی شخص برہنہ شمشیر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے سر پر آن پہنچا اور کہنے لگا: اے محمد ﷺ! کون ہے جو تجھے (مجھ سے) بچائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خدائے عظیم! اس وقت غورث زمین پر گر گیا اور اس کی تلوار دوسری طرف جا پڑی۔ رسول اللہ ﷺ نے تلوار اٹھائی اور

مترجم عرض کرتا ہے: جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے یا نہیں، اس حوالے سے روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے. ائمہ اہلبیت علیہم السلام سے نقل ہونے والی روایات میں اس کی نفی بھی وارد ہوئی ہے جیسے معانی الاخبار: ص۴۰۸ میں امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک احد میں نہیں ٹوٹے بلکہ ان کی روح اس حال میں قبض کی گئی کہ وہ جسمانی طور پر بالکل سالم تھے. نیز اعلام الوریٰ: ص ۸۳ پر ابان بن عثمان سے بھی یہی حدیث مروی ہے. نیز اس خبر کا اثبات بھی موجود ہے. جیسے کہ تفسیر عیاشی: ج۱، ص۲۰۱؛ غیبت نعمانی: ص ۲۴۳ میں نقل شدہ احادیث ائمہ علیہم السلام.

[1] ایضاً: ج۳، ص ۲۷۳.

اس کے سر پر کھڑے ہو کر فرمایا: اب تجھے کون بچائے گا؟ اس نے کہا: قدرت کے وقت عفو و درگزشت۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور بولا: میں اس وقت حلیم ترین شخص کے پاس سے آرہا ہوں۔[1]

غزوہ خیبر میں مال غنیمت کی تقسیم کے بعد ایک صحابی نے کہا: اے محمد ﷺ! عدالت کی رعایت کر! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وائے ہو تجھ پر! اگر میں عدالت کی رعایت نہ کروں تو تمہاری تجارت میں نقصان ہی نقصان ہو گا۔ ایک شخص اٹھا تاکہ اسے قتل کر دے، پیغمبر رحمت ﷺ نے اسے روکا اور فرمایا: اس بات پر خدا کی پناہ کہ لوگ کہیں محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے، مجھے وسعت قلبی کا حامل ہونا پسند ہے۔[2]

سعنہ نامی ایک یہودی عالم نے رسول اللہ ﷺ کو قرض دیا لیکن مقررہ مدت پہنچنے سے پہلے واپسی کا تقاضا کرنے لگا اور آپ سے سخت زبان میں بات کی۔ ایک صحابی موجود تھا اس نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گرچہ ابھی مقررہ مدت پوری نہیں ہوئی لیکن پھر بھی اس کی رقم لوٹاؤ اور چونکہ تم نے اسے ڈرایا ہے لہذا بیس صاع کا اضافہ بھی کر دو۔ جب یہودی نے رسول اللہ ﷺ کا ایسا کردار و سلوک دیکھا تو مسلمان ہو گیا، وہ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا یہاں تک کہ غزوہ تبوک میں شہید ہو گیا۔[3]

تواضع

رسول اللہ ﷺ متواضع ترین انسان تھے۔ انہیں خدا کی جانب سے اختیار دیا گیا ہے خدا کے بندے بنیں گے، نبی ورسول یا وہ نبی جو بادشاہ ہو۔ خدا کی جانب سے یہ بھی

---

[1] مسند احمد، حدیث جابر سے مروی ہے۔

[2] احیاء العلوم: ج ۲، ص ۳۳۶۔

[3] الروض الانف: ج ۱، ص ۱۳۲۔

بتا دیا گیا تھا کہ ان میں سے جو بھی اختیار کریں گے خدا کے نزدیک ان کا مقام کم نہیں ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے بندہ بننا پسند فرمایا۔ جب اپنے اصحاب کے پاس جاتے تو اس بات کو پسند نہ فرماتے کہ آپ کے آنے پر وہ اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوں۔ آپ فرمایا کرتے تھے: یہ کام بادشاہوں کی رسم ہے۔

جب بھی کسی مجلس میں داخل ہوتے تو داخلے کے مقام پر ہی بیٹھ جاتے۔ زمین پر بیٹھا کرتے اور اسی پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: بے شک میں خدا کا بندہ ہوں، میں انسانوں کی طرح ہی کھاتا ہوں اور انہی کی طرح بیٹھتا ہوں اور اگر مجھے کھانے کی دعوت دیں تو اسے قبول کرتا ہوں۔

اپنے اصحاب کی دل جوئی فرماتے، ان کا حصہ انہیں عطا فرماتے، آپ اصحاب سے جدا یا کسی نمایاں جگہ پر تشریف فرما نہیں ہوتے تھے بلکہ ایسے تشریف فرما ہوتے جیسے انہیں میں سے ایک ہوں۔ جب کوئی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا اور آپ کی ہیبت سے لرزہ بر اندام ہو جاتا تو اس سے فرمایا کرتے: پریشان نہیں ہو میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں بلکہ قریش کی ایک خاتون کا بیٹا ہوں۔[1]

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اس قیمتی فرمان میں کہ "میں قریش کی ایک خاتون کا بیٹا ہوں" اپنے اس مقام کے باوجود بھی دوسرے کے سامنے کس قدر تواضع سے کام لے رہے ہیں تاکہ وہ شخص پریشان نہ ہو۔ اگر رسول اللہ ﷺ اس کی جگہ یہ فرماتے کہ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں، تو اس کی نظر میں مقام نبوت اور زیادہ بڑھ جاتا اور نتیجتاً اس کا اضطراب اور تشویش بھی زیادہ ہو جاتی جو کہ رسول اللہ ﷺ کے مقصود کے خلاف تھا۔

---

[1] احیاء العلوم: ج ۲، ص ۳۳۸.

کرم و بخشش

مندرج ذیل روایت رسول اللہ ﷺ کے نا تمام ہونے والے جود و کرم کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔ آپ نے فرمایا:

أَنَا أَدِيبُ اللّٰهِ وَعَلِيٌّ أَدِيبِي أَمَرَنِي رَبِّي بِالسَّخَاءِ وَالْبِرِّ وَنَهَانِي عَنِ الْبُخْلِ وَالْجَفَاءِ وَمَا شَيْءٌ أَبْغَضَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنَ الْبُخْلِ وَسُوءِ الْخُلُقِ. میں خدا کا تربیت یافتہ ہوں اور علی علیہ السلام میرا تربیت یافتہ ہے، خدا نے مجھے سخاوت اور نیکی کرنے کا حکم دیا اور بخل و جفا کرنے سے منع فرمایا۔ خدا کے نزدیک بخل اور بد اخلاقی سے زیادہ بری اور کوئی دوسری چیز نہیں۔[1]

امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے: رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی، خاندان کے اعتبار سے ان میں سب سے زیادہ مکرم، وعدہ نبھانے کے معاملے میں سب سے زیادہ سچے اور باوفا اور ان میں سب سے زیادہ نرم خو تھے۔ جو بھی انہیں دیکھتا اس کے دل میں ان کی ہیبت بیٹھ جاتی اور جو بھی ان سے بنا جان پہچان کے ہم کلام ہوتا ان سے محبت کرنے لگتا۔ ان سے جو بھی چیز مانگی جاتی تھی وہ عطا کرتے۔ ایک شخص کو ایک ریوڑ سونپ دیا جس نے دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو پر کر رکھا تھا۔ وہ شخص اپنے قبیلے کی جانب لوٹا تو انہیں اسلام کی دعوت دی اور کہا: رسول اللہ ﷺ نے اسے اس قدر عطا فرمایا ہے کہ اسے اپنی پوری زندگی فقر کا ڈر نہیں رہا۔ جب رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس لوٹ رہے تھے تو اعراب نے ان سے صلہ مانگا، انہوں نے اس طرح سے رسول اللہ ﷺ کا احاطہ کیا ہوا تھا کہ آپ نے ایک درخت سے ٹیک لگائی، وہ آپ کی عبا بھی لے گئے۔ آپ نے فرمایا: میری عبا واپس کر دو، خدا کی قسم اگر میرے پاس اس کنکر کے برابر کوئی نعمت ہوتی تو اسے تم لوگوں

---

[1] [مکارم الاخلاق: ص ۱۷]

کے درمیان تقسیم کر دیا، اور تم اس وقت متوجہ ہو جاتے کہ میں بخیل، جھوٹا اور ڈرپوک نہیں ہوں۔[1]

شجاعت

میدان جنگ میں آپ کی شجاعت ایسی تھی کہ کسی کو بھی اس میں شک نہیں تھا۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: جنگ بدر میں جب بھی جنگ کی سختی بڑھتی، مسلمان رسول اللہ ﷺ کی پناہ حاصل کرتے اور رسول اللہ ﷺ ان کے سامنے سپر کی طرح کھڑے ہو جاتے۔ جب جنگ احد میں مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ایسی جنگ کی کہ نہ تو کسی کان سے سنی اور نہ کسی آنکھ نے دیکھی، اس طور کہ آپ کے سامنے کے دانت شہید ہو گئے اور لبوں سے خون جاری ہو گیا۔

غزوہ حنین میں جب دونوں لشکروں کی تلواریں ایک دوسرے سے ٹکرائیں تو مسلمانوں کے دلوں میں وحشت اور ڈر بیٹھ گیا اور یہ سب ایسے بھاگے جیسے شیر کے سامنے گدھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ دشمن کے مقابل ثابت قدم رہے اور اپنے مرکب پر سوار ہو کر آگے بڑھتے رہے۔ آپ کے مرکب کی لگام ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب کے ہاتھ میں تھی اور رسول اللہ ﷺ یوں رجز خوانی فرماتے تھے:

میں وہ رسول ہوں جو جھوٹ نہیں بولتا، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ دشمن کی کثیر تعداد سے خوفزدہ نہیں ہوئے اور اصحاب کے فرار کر جانے سے بھی ضعیف و ست نہیں پڑے بلکہ آپ نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ہمراہ شیر نر کی طرح غضبناک انداز میں میدان کو الٹ دیا یہاں تک کہ مسلمان واپس لوٹے اور اس نبی فاتح کو فتح نصیب ہوئی۔

---

[1] ایضاً، ج ۲، ص ۳۳۷۔

بلاغت

کوئی شخص بھی سخنوری، بلاغت اور تقاضائے حال کلام میں رسول اللہ ﷺ کی طرح نہیں ہوا، یہاں تک کہ خود حضور نے فرمایا:

(أنا أفصح من نطق بالضاد بيد أني من قريش و استرضعت في بني سعد). میں عرب کا فصیح ترین مرد ہوں اسکے علاوہ کے قریش سے ہوں اور بنی سعد میں دودھ پیا ہے۔

آپ نے یہ جامع کلام اس وقت فرمایا جب آپ کے لیے حسادتیں اور کینے اپنے عروج پر تھے۔ آپ کے دشمن اس انتظار میں تھے کہ کوئی موقع ملے اور وہ آپ کے کلام میں عیب و نقص تلاش کر سکیں اور یوں آپ کی دعوت کے مقابل بند باندھیں۔ لیکن کوئی شخص بھی آپ کے کلام میں ذرا برابر بھی نقص نہیں نکال سکا اور آپ سے نا موزوں، سخیف اور دور از ادب کلام سماعت نہیں کیا۔ لیکن اس کے برعکس جھوٹے مدعیان نبوت جیسے مسیلمہ کذاب جیسوں کے کلام میں کثرت سے نواقص اور اعتراضات پائے گئے۔

عربوں کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ جو کہتے تھے اس کے مقابل تسلیم ہو جائیں اور اعتراف کریں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ذکر حکیم اور قرآن کریم جیسا ہے۔ البتہ اس روشن فرق کو سامنے رکھتے ہوئے کہ وہ کلام خالق ہے اور یہ کلام مخلوق۔ اس مدعیٰ پر کثرت سے شواہد موجود ہیں۔ جی ہاں! رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح، بلیغ اور اقتضائے حال کلام کے مطابق کلام کرنے والے تھے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے یہ جو فرمایا: "سوائے اس کے کہ میں قریش سے ہوں" تو اس کی توضیح یہ ہے کہ عرب کی عادت تھی کہ وہ مدح وستائش کو عیب کی صورت میں

لاتے تھے اور اس قسم کا استثناء کسی شخص کے بلند مقام پر اور زیادہ تاکید کے لیے ہوتا تھا، یعنی اگر ممدوح میں کوئی عیب ہے تو وہ فقط یہی ہے جبکہ وہ خود فضیلت ہے نہ کہ کوئی عیب۔

رسول اکرم ﷺ اس قدر فصاحت اور حسن بیان کے حامل تھے کہ عرب کے مختلف قبائل سے ان کے لہجے اور روش کے مطابق بھی اوج فصاحت و بلاغت کے ساتھ کلام فرماتے اس طور کہ خود ان میں موجود فصیح ترین شخص سے بھی زیادہ بہتر اور مستدل گفتگو فرماتے۔ تاریخ میں ایسی مثال نہیں کہ ایک اُمّی شخص جس نے کبھی کسی کتاب کو نہ دیکھا ہو اور مختلف لہجوں اور لغات سے ناآشنا ہو وہ ہر قبیلے کے ساتھ اس کے فصیح و بلیغ ترین افراد سے بھی زیادہ فصیح انداز میں کلام کرے اور ان کے لیے دلیل قائم کرے، سوائے رسول اللہ ﷺ کے جنہیں خدائے مبین نے پاک فطرت اور مصفیٰ بصیرت سے نوازا تھا اور انہیں تمام لغات سے آشنا اور ان پر مسلط کیا تھا، اس طور کہ کلام کرتے وقت کوئی لغت رسول اللہ ﷺ سے پوشیدہ نہیں رہتی تھی اور آپ کبھی اضطراب کا شکار نہیں ہوتے تھے نیز کلام کا نظم ان کے اختیار و قدرت سے کبھی خارج نہیں ہوتا تھا۔

خدا نے انہیں حکمت بالغہ سے نوازا تھا جبکہ وہ اُمّی تھے۔ درس یا کتاب نہیں پڑھی تھی اور کسی عالم یا معلم کے سامنے زانوئے ادب طے نہیں کیے تھے لیکن پھر بھی اس قدر فصیح و متقن کلام فرماتے کہ علماء کی عقل اور ادیبوں کی بلاغت عاجز ہو جاتی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ رسول اللہ ﷺ ان پڑھ تھے اور لکھنا نہیں جانتے تھے، کیونکہ یہ خود ایک کمال ہے اور ایک ایسی بزرگ شخصیت کی شان جو جامع کمالات اور مرکز محامد و محاسن ہو اس کمال سے فاقد ہونے سے اجل و ارفع ہے۔ لیکن میرا عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کسی عالم کے پاس نشست و برخاست نہیں رہی جو آپ اس

سے علم کسب فرماتے، نہ کسی کاہن کے پاس گئے جو اس سے کہانت سیکھتے، اور نہ مورخین، مؤلفین، ریاضی دانو اور محققین کے پاس آمدورفت رکھتے جو ہم کہیں کہ انہوں نے ان سے یہ سب کچھ سیکھا تھا۔ یہ خود روشن اور بدیہی دلائل میں سے ایک ہے کہ حضور نے بلاغت و فصاحت، نیز علوم و فنون سے آشنائی میں تمام سرکردہ افراد کو اپنے سامنے عاجز و ناتواں کر دیا تھا۔

شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب المقالات میں اس بارے میں ایک ذکر گرانبہا ہماری نظر کرتے ہیں اور پڑھنے والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کی حقیقت کی جانب متوجہ کرتے ہیں، تاکہ وہ رشد و کمال کی راہ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں۔ اس بارے میں بعض محققین حق مطلب ادا نہ کر سکے اور شک و تردید میں مبتلا ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب نعوذ باللہ جہل کی نسبت دے بیٹھے کیونکہ انہوں نے کہا کہ صلح حدیبیہ کے صلح نامے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا نام نہ ڈھونڈ سکے تاکہ اسے مٹائیں، امیر المومنین علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلی آپ کے نام پر رکھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مٹا دیا۔ یہ اس وسیلے سے مقام رسالت میں شبہات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ دراصل یہ سب مقام پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے جہل کی وجہ سے ہے، وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تمام صفات جلال و جمال میں تمام انبیاء میں ممتاز اور چنا ہوا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام مرتب، روان اور روشن تھا۔ آپ میں آثار نبوت، اور خدائی استعداد نمایاں تھیں۔ فصاحت، مٹھاس، بیان کی جذابیت اور اس کے نظم کا سالم ہونا ہر سننے والوں کو متوجہ کرتا۔ یہاں تک کہ کسی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: میں عربوں کے درمیان بہت گھوما پھرا ہوں اور ان کے فصحاء کا کلام و بیان سنا ہے، یہ بتایئے کہ آپ نے یہ فصاحت و ادب کس سے سیکھی ہے؟ فرمایا: أَدَّبَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي. بے شک خدا نے مجھے ادب سکھایا ہے اور کیا ہی اچھا سکھایا ہے!

یہاں پر ہم حضور کے چند ان گہر بار فرمودات کی جانب اشارہ کرتے ہیں جو اپنے حسن اختصار میں بے مثال ہیں:

۱۔ النَّاسُ بِزَمَانِهِمْ أَشْبَهُ. لوگ اپنے زمانے سے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔

۲۔ العقل الوف مالوف۔ عقل الفت طلب اور انس پذیر ہے۔

۳۔ العدۃ عطیۃ. وعدہ کرنا بخشش وعطا ہے۔

۴۔ الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى. اوپر والا ہاتھ (یعنی بخشنے والا ہاتھ) نیچے والے ہاتھ (یعنی لینے والے کے ہاتھ) سے بہتر ہے۔

۵۔ إِنَّ الْخَيْرَ كَثِيرٌ وَ قَلِيلٌ فَاعِلُهُ. اچھائی کے کام بہت ہیں لیکن اس کے انجام دینے والے کم ہیں۔

۶۔ إِذَا أَرَادَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ بِعَبْدٍ خَيْراً جَعَلَ لَهُ وَاعِظاً مِنْ نَفْسِهِ. جب خدا کسی بندے کے ساتھ اچھائی کا ارادہ کرتا ہے تو خود اس کی ذات سے ہی اس کے لیے کوئی نصیحت کرنے والا قرار دیتا ہے۔

۷۔ ثَلَاثٌ مُنْجِيَاتٌ وَ ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ مَا الْمُنْجِيَاتُ قَالَ خَوْفُ اللهِ فِي السِّرِّ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ وَ الْعَدْلُ فِي الرِّضَا وَ الْغَضَبِ وَ الْقَصْدُ فِي الْغِنَى وَ الْفَقْرِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ فَمَا الْمُهْلِكَاتُ قَالَ هَوًى مُتَّبَعٌ وَ شُحٌّ مُطَاعٌ وَ إِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ. نجات کا سبب بھی تین چیزیں ہیں اور ہلاکت کا باعث بھی تین ہی چیزیں ہیں: نجات دینے والی تین چیزیں یہ ہیں: خلوت و جلوت میں خدا کا خوف؛ امیری و فقیری میں میانہ روی اختیار کرنا اور رضامندی یا غضب کی حالت میں عدل پر مبنی حکم دینا؛ اور ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں: پیروی شدہ بخل؛ امر کنندہ ہوا و ہوس اور خود پسندی۔

یہ حضور کے درخشندہ کلام میں سے چند نورانی مثالیں ہیں یہ تمام اقوال اختصار

کے باوجود اپنا مقصود پہنچانے میں محکم ترین دلیل اور روشن ترین علت ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

أُوتِيتُ جَوامِعَ الْكَلِمِ وَاخْتُصِرَ لِيَ الْحِكْمَةُ اخْتِصاراً. مجھے جوامع الکلم سے نوازا گیا ہے، اور حکمت میرے لیے کامل طور پر مختصر ہو گئی ہے۔

بقیہ انبیاء ورسل سے رسول اکرم ﷺ کا امتیاز ان صفات جلال وجمال کا حامل ہونا ہے جو خدا نے آپ میں رکھی ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کے فرمودات انسان کی تمام دنیوی و اخروی ضرورتوں کا جواب دیتے ہیں۔ آپ کے اعمال بنا کسی تناقض و مخالفت کے آپ کے کلام و فرمودات کی تائید و تصدیق کرتے ہیں۔ طول تاریخ میں آپ کے اقوال حیات انسانی کو سورج کی طرح روشنی بخشنے والے ہیں۔ اگر یہ پیغمبر کریم ﷺ مبعوث نہ ہوتا اور اس کے شمائل الہیہ اور اعمال حکیمانہ آشکار نہ ہوتے تو لوگ نبوت اور نبیوں کی قدر و قیمت کو درک نہ کر پاتے۔

اس بنا پر لازم ہے کہ لوگوں کا خیر خواہ ان کی جانب سے دی جانی والی مصیبتوں پر صابر و حلیم، مصمم ارادے کا حامل اور نڈر ہو، اس کے احکامات عدالت کی خبر لائیں اور نصاریٰ کی طرح دین میں غلو نہ کرے جو کہتے ہیں کہ خدا، بیٹا اور روح القدس تینوں ہی خدا ہیں، نیز یہودیوں کی طرح کوتاہی بھی نہ کرے جو خدا کو اس کے مقام الوہیت سے نیچے اتار دیتے ہیں، وہ اپنے پیروکاروں کو فقط آخرت کا مشتاق نہ بنائے بلکہ اعتدال اور میانہ روی کی نصیحت کرتے، جیسا کہ آپ فرمایا کرتے تھے:

خیر کم من لم یترک الدنیا للآخرۃ ولا الآخرۃ للدنیا. تم میں سے بہترین وہ ہے جو دنیا کو آخرت کے لیے اور آخرت کو دنیا کے لیے ترک نہ کرے۔

آپ قوموں کے امیر کی عزت کیا کرتے، قوم کے امور کی سرپرستی اسی کے سپرد کرتے اور اس کی معذرت کو قبول فرماتے تھے۔

مورخین نے نقل کیا ہے: کعب بن زہیر کا بھائی بجیر اسلام قبول کر چکا تھا، اس نے اپنے بھائی کو عتاب آمیز اور ملامت پر مشتمل خط تحریر کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو انہوں نے اس کے قتل کو جائز شمار کیا۔ کعب کو اپنی جان کا خوف لاحق ہو گیا کیونکہ کسی نے بھی اس کی حمایت نہیں کی تھی یہاں تک کہ اس کے قبیلے اور خاندان نے بھی نہیں۔ وہ مدینے پہنچا اور امیر المومنین علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے کیے پر پشیمانی کا اظہار کرنے لگا۔ امام نے اسے اطمینان دلایا کہ رسول اللہ ﷺ اس کی معذرت قبول فرمائیں گے، جب امیر المومنین علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی پشیمانی سے مطلع فرمایا تو رسول رحمت ﷺ نے بھی اس کی غلطی سے در گزر فرمایا۔ کعب نے کہا: میں اسلام لے آیا، رسول اللہ ﷺ مسرور ہوئے اور اسے معاف فرما کر اس کے قتل کی نہی فرما دی۔ کعب رسول اللہ ﷺ کے مقابل کھڑا ہوا اور اسی وقت رسول اللہ ﷺ کی شان میں قصیدہ انشاء کیا جس کا مطلع "بانت سعاد" سے شروع ہوتا ہے۔ اس نے اس میں اپنے ڈر کا بھی ذکر کیا۔ جب ان ابیات پر پہنچا:

ان الرسول لنور یستضاء بہ	وصارم من سیوف اللّٰہ مسلول
نبئت ان رسول اللّٰہ اوعدنی	والعفو عند الرسول مامول

رسول اللہ ﷺ نور بخش روشنی اور خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ڈرایا تھا جبکہ ان کی جانب سے عفو و در گزشت سب کی آرزو ہے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے اسے عزت بخشنے کے لیے اپنا لباس عطا فرمایا تاکہ اس کی شکایت برطرف ہو جائے۔[1]

---

[1] کتاب سیرت حلبیہ: ج ۳ ص ۲۴۲۔ میں وفود سے متعلق باب میں ہے: معاویہ نے یہ لباس خریدنے کے لیے کعب کو دس ہزار دینار کی پیشکش کی لیکن اس نے قبول نہ کیا۔ اس کے مرنے

رسول اللہ ﷺ سے یہ کام تعجب خیز نہیں کیونکہ انہیں رحمت و رأفت، تعلیم قرآن اور خوشخبری و ڈرانے کے لیے مبعوث فرمایا گیا۔ انہوں نے کمال کی آخری حد تک خیر خواہی اور نصیحت فرمائی، ہدایت بشر کی خاطر قیام فرمایا، لوگوں کو کامیابی اور سعادت کی جانب دعوت دی اور جہالت کے اندھے پن سے نجات دی۔

خدائے رحمن اپنے حبیب پیغمبر رحمت ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

"اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔ میں اسے ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، زکات دیتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں، نبی امی کی پیروی کرتے ہیں، جس کے اوصاف وہ اپنے یہاں تورات و انجیل میں لکھے ہوئے پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے، ان پر پاکیزہ چیزوں

کے بعد معاویہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ لباس کعب کے ورثاء سے بیس ہزار دینار میں خریدا۔ یہ لباس خلفاء بنی امیہ و بنی عباس میں بطور ارث چلتا رہا جسے وہ بیٹھتے یا چلتے اپنے کندھوں پر ڈالتے تھے۔ یہ مقتدر کے کندھے پر ہی تھا جب اسے قتل کیا گیا اور یوں یہ لباس بھی خون آلود ہو گیا۔

سید رضی نے اس بارے میں کہا:

ردوا تراث محمد ﷺ ردوا   لیس القضیب لکم و لا البرد

رسول اللہ ﷺ کی میراث کو واپس لوٹاؤ کیونکہ عصا اور لباس تمہارا نہیں ہے۔

ابن کثیر کا کہنا ہے کہ بغداد کی فتح کے بعد وہ لباس مغلوں نے حاصل کر لیا تھا۔

کو حلال اور خبیث چیزوں کو حرام کرتا ہے، ان کے طوق و بوجھ کو جو ان پر تھا اتار پھینکتا ہے۔ تو جو افراد اس پر ایمان لائے اور اس کی رفاقت اختیار کی نیز جنہوں نے اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔[1]

[1] اعراف:۱۵۶۔۱۵۷.

علی الاکبرؑ شبیہ رسول اکرمؐ

یہ تھی اس صاحب دعوت الہیہ کی چند صفات جو خدائے سبحان نے اسے بخشی تھیں، وہ انہی کے سبب عالم ہستی میں ممتاز ہوا اور تمام انبیاء سے افضل ٹھہرا جیسا کہ خدا نے اسے بزرگی اور عظمت کے ساتھ یاد کیا ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ "بے شک تو خلق عظیم پر فائز ہے"۔[1]

مورخین نے رسول اللہؐ کے خاندان میں علی اکبرؑ کے سوا کسی دوسرے شخص کا نام نہیں لیا جو تمام صفات میں آپ کی شبیہ ہو۔

مروی جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے نقل کرتا ہے: حضرت فاطمہؑ چلنے میں اپنے والد بزرگوار کی شبیہ تھیں۔ وہ چلتے ہوئے ایک بار دائیں جانب اور دوسری بار بائیں جانب جھکتی تھیں۔[2]

شیخ صدوقؒ کی روایت میں ہے: امام حسن مجتبیٰؑ ہیبت و سیادت میں اپنے جد رسول اللہؐ کی شبیہ تھے اور امام حسینؑ بخشش و شجاعت میں۔[3]

حاکم نیشاپوری امیر المومنینؑ سے نقل کرتا ہے: رسول اللہؐ نے جعفر طیارؑ سے فرمایا: اشبهت خلقي و خُلقي؛ تو اخلاق و خلقت میں میری شبیہ ہے۔[4]

---

[1] قلم:۴۔

[2] المناقب: ج۲، ص ۱۱۲، طبع ایران۔

[3] الخصال: ج۱، ص ۳۹۔

[4] مستدرک حاکم: ج۳، ص ۲۱۱۔

شیخ جلیل فخر الدین طریحی کتاب منتخب میں کہتے ہیں: امام حسین علیہ السلام نے اپنے شیر خوار بچے کے بارے میں فرمایا: اللھم انت الشاھد علی قوم قتلوا اشبه الناس برسولک محمد ﷺ؛ اے خدا اس قوم پر گواہ رہنا کہ انہوں نے اسے قتل کیا ہے جو لوگوں میں سب سے زیادہ تیرے رسول محمد ﷺ کی شبیہ ہے۔

(ان روایات میں دیکھا جاسکتا ہے کہ خاندان رسالت میں مختلف شخصیات مختلف پہلوؤں سے رسول اللہ ﷺ سے مشابہ تھیں) یہ تمام شواہد اس بات پر دال ہیں کہ خاندان رسالت ﷺ میں کوئی بھی فرد ہر جہت سے رسول اللہ ﷺ کی شبیہ نہیں تھا۔

لیکن امام حسین علیہ السلام نے اپنے بیٹے علی اکبر علیہ السلام کے میدان نبرد میں جاتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ فَقَدْ بَرَزَ اِلَیْھِمْ غُلَامٌ اَشْبَہُ النَّاسِ خَلْقاً وَ خُلُقاً وَ مَنْطِقاً بِرَسُوْلِکَ ص وَ کُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی نَبِیِّکَ نَظَرْنَا اِلَیْہِ. اے خدا تو گواہ رہنا اب ان کی جانب وہ جا رہا ہے جو خَلق و خُلق و انداز کلام میں سب سے زیادہ تیرے رسول کی شبیہ ہے ہم جب بھی تیرے نبی کے دیدار کے مشتاق ہوتے تو اس جوان کو دیکھ لیا کرتے تھے۔[1]

گویا یہ ایک حقیقت ہے کہ علی اکبر علیہ السلام حضور کے کمالات اور جمال نبوی کا آئینہ اور کلام کرنے میں رسول اللہ ﷺ کا کامل نمونہ تھے۔ یہاں تک کہ ان کے والد جب بھی اس حیات بخش چہرے کو دیکھنے کا شوق رکھتے تو اس نور چشم کے چہرے پر نظر کرتے تھے۔ یا اگر اس حیات بخش آواز کو سننے کے مشتاق ہوتے جس کے سامنے داؤد کے نغمے بھی کمتر تھے تو اس بچے کا کلام سنا کرتے تھے اور جب بھی رسول اللہ ﷺ کے اس اخلاق کریمہ کو یاد فرماتے جس کے بارے میں خدا نے فرمایا: ﴿وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ

---

[1] الہوف: سید ابن طاؤوس: ص ۶۳.

عظیم﴾ "بے شک تو خلق عظیم کے مرتبے پر فائز ہے" تو اپنے تمام وجود کے ساتھ اس بیٹے کے وجود کی جانب توجہ فرماتے تھے۔

روشن ہے کہ جب علی اکبرؑ ان اخلاق پسندیدہ کے حامل تھے تو پھر وہ رسول اللہﷺ کی تمام خصوصیات کے حامل تھے۔ جیسے کہ اخلاص، شجاعت، کرم، حلم، بشاشت، نرمی و انعطاف، راہ خدا میں سخت گیری، پستیوں اور رذائل سے دوری چاہے وہ شرعی ہوں یا فطری، اور ایک جملے میں یوں کہیں کہ ہر اس چیز کے حامل تھے جو خدا کے نزدیک "عظیم" ہے۔

[عصمت علی اکبرؑ]

مرویات کی جانب توجہ رکھتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ ہر چند رسول اللہﷺ کی شخصیت سے بعض دوسرے افراد بھی شباہت رکھتے تھے لیکن علی اکبرؑ اس ذات کامل قدوسی، ہر عیب و خطا سے معصوم اور جمال الٰہی سے آراستہ ہستی کی مثل اعلیٰ تھے۔ ہر چند کہ خود علی اکبرؑ کو امام معصوم کی ضرورت ہے (اور وہ ان سے بے نیاز نہیں)، لیکن بعید نہیں کہ وہ ائمہ طاہرینؑ کی طرح مقام عصمت کے حامل ہوں اور خدا کے فضل سے یہ امر دور نہیں کہ وہ ایسے انسان خلق فرمائے جو کامل اور ہر عیب و خطا سے منزہ ہوں۔ امام حسینؑ کا فرمان ان کے بیٹے علی اکبرؑ میں تمام فضائل اور محامد کے ہمراہ اس قسم کی قداست کے تحقق پر دلالت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اول رجب میں جناب علی اکبرؑ کی زیارت مخصوصہ میں امام معصومؑ سے نقل ہوا ہے:

كَمَا مَنَّ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَكَ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ الَّذِيْنَ أَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِيْرًا۔ ویسے ہی جیسے اس سے قبل اس نے تجھ پر احسان کیا اور تجھے ان اہل بیتؑ میں سے قرار دیا جنہیں اللہ نے رجس سے دور رکھا اور ایسے پاک رکھا جیسا

کر پاک رکھنے کا حق ہے۔

أَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ، کے معنی وہی مقام عصمت ہے جو علی اکبر علیہ السلام میں تحقق پذیر ہوا، ہر چند کہ ان کے لیے عصمت کا وجوب مخلوقات پر حجت، امام کے مقام عصمت جیسا نہیں ہے۔

فضائل علی الاکبر علیہ السلام

ابتدائے شباب سے ہی ان کے چہرۂ مبارک پر عظمت وجلالت کے آثار اور انوار فضائل نمایاں تھے۔ ان کے وجود سے بخشش نبوی چھلکتی تھی اور وہ مجد وشرافت و بزرگواری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد دلا دیا کرتے تھے۔ آپ تمام خصال خیر سے متصف اور مناقب کی چوٹی پر براجمان تھے۔ ان کے فضائل ستاروں سے زیادہ اور ان کے محامد بلند پہاڑوں سے اونچے تھے۔ زبان ان کے وصف سے ناتواں ہیں۔ دشمن کے پاس بھی ان کے بے مثال ولاتعداد فضائل کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔

علی اکبر علیہ السلام خاندان رسالت کے چشم وچراغ اور خلافت الہیہ کی ایک شاخ ہیں۔ وہ اپنے والد واجداد کے فضائل کے وارث تھے۔ ہمارے اس مدعا پر گواہ معاویہ کا اعتراف ہے۔ ایک دن اپنے دربار میں بیٹھے ہوئے درباریوں اور وزیروں سے پوچھا: امر خلافت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ سب نے کہا: تو۔ معاویہ نے کہا: نہیں اس کا سب سے زیادہ مستحق علی بن الحسین بن علی علیہ السلام ہے، جس کے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اس (کے خون) میں بنی ہاشم کی شجاعت، بنی امیہ کی سخاوت اور قبیلہ ثقیف کی بزرگ منشی ہے۔[1]

ہمیں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ علی اکبر علیہ السلام تمام فضائل کے جامع اور ان سب سے بڑھ کر مقام عصمت کے حامل تھے نیز اخلاق سیئہ سے دور تھے؛ ان کے والد جو لوگوں کے باطن سے آگاہ ہیں اس بات پر گواہ ہیں کہ وہ صفات وخصال محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جامع اور ان کی تمام صفات کے کامل آئینہ دار تھے ویسے ہی جیسے ان

[1] مقاتل الطالبین: ص ۳۱.

کی زیارت اول رجب اور ابو حمزہ ثمالی کی امام صادق علیہ السلام سے مروی زیارت میں بھی وارد ہوا ہے۔[1]

معاویہ کا یہ اقرار اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت اہل شام اور بقیہ شہروں کے مکینوں میں علی اکبر علیہ السلام محاسن اخلاق اور قداست الہیہ جیسی صفات میں مشہور و معروف تھے بصورت دیگر کوئی وجہ نہیں دکھائی دیتی کہ معاویہ وزرائے سلطنت کے درمیان کسی ایسے شخص کی خلافت کے اہل ہونے کا اعتراف کرے جو تدبیر، درایت، صفات حمیدہ اور مدیریت جیسے خصائل میں لوگوں کے درمیان ناآشنا ہو۔

معاویہ جانتا تھا کہ علی اکبر علیہ السلام کے تمام فضائل ان کے اجداد اطہار سے ان تک پہنچے ہیں لیکن اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے اور اپنی پنہاں اغراض کو پوشیدہ رکھتے ہوئے، اس اقرار میں دوسروں کے فضائل کو بھی دخالت دی؛ ذیل میں ہم ان کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ وہ چاہتا تھا کہ امام حسین علیہ السلام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ اور امیر المومنین علیہ السلام کی جانب سے بنص صریح امامت کے عہدے دار تھے، ان سے خلافت کو لے کر کسی اور شخص کو امام حسین علیہ السلام کے مقابل لا کھڑا کرے اور علمی مسائل نیز حل و فصل مشکلات امت میں اسے دنیا کے سامنے متعارف کروائے۔

۲۔ وہ چاہتا تھا کہ خلافت کی شرائط کو بدل دے جو علم، عصمت اور نص جیسے تین امور میں منحصر تھیں، وجہ یہ تھی کہ وہ ان میں سے کسی ایک کا بھی حامل نہیں تھا۔

۳۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے قبیلے کے لیے ایک فضیلت کو ثابت کرے تاکہ بنی ہاشم و بنی ثقیف جیسے قبیلوں کے برابر آ کھڑا ہو۔

سب ہی جانتے تھے کہ بنی امیہ اپنے جد (عبد الشمس) کے زمانے سے ہی کوئی

---

[1] کامل الزیارات، ابن قولویہ۔

فضیلت یا کرامت نہیں رکھتے تھے۔ عبد الشمس ایک نادار اور فقیر شخص تھا جس کی کفالت اس کے بھائی ہاشم کے ذمے تھی۔ امیہ بھی دس سال عبد المطلب علیہ السلام کا غلام رہا۔ کیونکہ اس نے اپنے گھوڑے پر شرط لگائی تھی کہ جس کا گھوڑا مقابلہ جیتے گا اسے سو اونٹ، دس غلام، دس کنیزیں ملیں گے اور طرف مقابل اس کی ایک سال تک غلامی کرے گا نیز اپنے سر کے آگے کے بال مونڈے گا۔ عبد المطلب علیہ السلام کا گھوڑا جیت گیا۔ انہوں نے مقابلے میں حاصل ہونے والے انعامات لے کر قریش میں تقسیم کر دیے۔ جب امیہ سے اس کے سر کے اگلے حصے کے بال تراشنے کا کہا تو اس نے اس کے عوض عبد المطلب کی دس سال کی غلامی قبول کی۔ اس مدت میں امیہ جناب عبد المطلب علیہ السلام کے غلاموں میں شمار ہوتا تھا۔

رہی بات معاویہ کے دادا حرب کی تو عبد المطلب علیہ السلام نے اسے اپنے بیٹے زبیر کے لیے اجیر بنایا اور جس برتن میں ہاشم علیہ السلام کھانا دیا کرتے تھے اس کو اس کا رہن قرار دیا۔[1]

ابو سفیان بھی انتہائی لالچی اور کنجوس شخص تھا یہاں تک کہ اپنی بیوی ہند کا خرچہ بھی نہیں دیتا تھا اور وہ ناچار اپنے اور بچوں کا خرچہ چلانے کے لیے ابو سفیان کے مال سے چوری کیا کرتی تھی۔ یہ تھے بنو امیہ کے پرکھوں کے حالات، ان کا کس طرح بنی ہاشم کے ساتھ تقابل کیا جا سکتا ہے؟

ہاشم وہ شخصیت ہیں جن کے ذمے کعبے کے زائرین کی سقائی تھی۔ آسائش ہو یا سختی و قحط کسی بھی حالت میں ان کا دسترخوان کم نہیں ہوتا تھا۔ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قریش کے لیے تجارت کے دو کاروان روانہ کیے ایک یمن کی طرف اور دوسرا شام کی جانب، نیز روم اور غسان کے حاکموں سے ان کاروانوں کے لیے امان

---

[1] شرح ابن ابی الحدید: ج ۳، ص ۴۶۶۔

ناے بھی لیے۔[1] یہ اس زمانے کی بات ہے جب قریش کی تجارت مکہ اور اس کے گردو نواح سے تجاوز نہیں کرتی تھی بلکہ غیر عرب تجارت کے لیے مکہ آتے تھے، تجارت کے سلسلے میں ہاشم خود شام گئے اور قیصر سے ملاقات کی۔

قیصر ان کے حسن خلق، وجاہت اور کرم سے متعجب ہوا لہٰذا اس نے ان کے لیے کوئی حاجب قرار نہیں دیا اور اجازت دے دی کہ وہ تجارت کے لیے شام کا سفر کریں اور امان نامہ بھی لکھ دیا تاکہ اس کی جانب سے مامور سپاہی قافلے کی حفاظت کریں۔ اس وجہ سے لوگوں کے درمیان ہاشم کی قدر و منزلت بڑھ گئی، وہ گرمیوں میں شام اور سردیوں میں یمن کی جانب تجارتی قافلے لے کر جاتے۔ انہوں نے اس تجارت میں قبائل عرب کے رؤوسا اور یمن و شام کے ملوک کو بھی شریک کر لیا اور ان کے قافلوں کی بھی سرپرستی کرنے لگے اور رہزنوں سے ان قافلوں کی حفاظت بھی اپنے ذمہ لے لی۔

ہاشم کو سفر میں امنیت نصیب تھی اور روسا کو تجارت سے مالی فائدہ ملتا تھا اور یوں دونوں ہی فائدہ اٹھاتے تھے۔ قریش کی اقتصادی حالت بہتر ہو گئی اور ہاشم کی برکت سے شمال و جنوب سے برکت قریش کی جانب امڈ آئی۔ قرآن مجید میں جس ایلاف کی جانب اشارہ ہے وہ یہی ہے۔[2] ﴿لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ۝ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ﴾

عبدالمطلب علیہ السلام، شیبۃ الحمد کے نام سے مشہور ہوئے۔ کیونکہ لوگوں میں ان کی بہت زیادہ مدح و ستائش ہوتی۔ وہ سختیوں میں قریش کی پناہ گاہ اور ان کے فریادرس تھے۔ ان کے سردار اور بزرگ اور کمالات کی اوج پر تھے۔ آپ ایک حکیم اور حلیم مرد تھے۔ انہوں نے ایسی سنتیں مقرر فرمائیں جنہیں اسلام نے بھی قبول کیا۔ انہوں

---

[1] تاریخ طبری: ج ۲، ص ۱۸۰۔

[2] شرح نہج البلاغہ: ج ۳، ص ۴۵۸ و ۴۵۳۔

نے باپ کی بیویوں کو بیٹوں پر حرام کیا؛ خزانہ پایا تو اس کا خمس نکالا؛ دیت سو اونٹ مقرر کی، خانہ کعبہ کے طواف کے سات چکر مقرر کیے؛ چور کے ہاتھ کاٹنا، حرمت شراب و زنا، عریاں طواف کی ممانعت، بتوں کے لیے قربانی کیے گئے جانوروں کے گوشت کی حرمت اور تیر (یعنی جوئے) کے ذریعے سے اونٹوں کی تقسیم کی تحریم وغیرہ (ان کی سنتوں میں سے ہیں)۔[1]

ان کے بے حساب جود و بخشش کی وجہ سے انہیں فیاض کہا جاتا تھا۔ ان کے دستر خوان سے ہر راہ گیر اور فقیر کھانا کھاتا، اس کے بعد بچ جانے والی غذا کو وہ ابو قبیس پر لے جائی جاتی تاکہ اسے پرندے اور دوسرے حیوانات کھالیں۔[2] ان کے جلال کے پیش نظر ان کے گھر سے کعبے تک قالین بچھایا جاتا جبکہ قریش کے کسی بھی دوسرے فرد کے لیے ایسی زحمات نہیں اٹھائی گئیں۔ ان کی عظمت کی وجہ سے کوئی بھی ان کا ہم نشین نہ ہوتا تھا سوائے ان کے پوتے پیغمبر رحمت ﷺ کے۔[3]

عبد المطلب علیہ السلام اوصیاء میں سے تھے اور انبیاء کی کتب آسمانی کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔ قریش کی محفلوں میں ہمیشہ اپنے صلب سے ایک پیغمبر کے ظاہر ہونے کی خبر دیا کرتے تھے نیز اپنی قوم اور اولاد کو اس پر ایمان لانے اور اس کی پیروی کرنے کی سفارش کرتے۔[4]

ابو طالب علیہ السلام سید البطحاء اور پناہ قریش تھے۔ وہ اپنے والد کے بعد ان کی عظمت و جاہ و جلال کے وارث ہوئے۔ ان کا حکم مکہ میں مانا جاتا تھا۔ ان کے عجائبات

---

[1] خصال صدوق: ج۱، ص ۳۱۲؛ سیرت الحلبیہ: ج۱، ص ۵۔

[2] النبراس فی تاریخ بنی العباس: ص ۱۶۵؛ سیرت حلبیہ: ج۱، ص ۴۔

[3] تاریخ یعقوبی: ج ۲، ص ۱۱؛ تاریخ الخمیس: ج۱، ص ۲۷۰۔

[4] بحار: ج ۹، ص ۳۱۔

میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں نے امیر المومنین ؑ کی شب ولادت میں عجائب کا مشاہدہ کیا تو بتوں کے سامنے تضرع وزاری کے لیے کوہ ابو قبیس پر چڑھ گئے تا کہ ان کی مشکل حل ہو۔ پہاڑ لرزہ اور بت زمین پر آپڑے، ان کی پریشانی مزید بڑھ گئی۔ وہ اپنی پریشانی دور کرنے کے لیے ابو طالب ؑ کے پاس پہنچے کیونکہ وہ اپنے والد کی طرح بے پناہوں کی پناہ گاہ تھے۔ انہوں نے ان سے چارہ جوئی کی درخواست کی۔ ابو طالب ؑ نے ہاتھوں کو آسمان کی جانب بلند کیا اور تضرع کے ساتھ بارگاہ خدا میں عرض کی:

إِلٰهِي وَ سَيِّدِي أَسْأَلُكَ بِالْمُحَمَّدِيَّةِ الْمَحْمُودِيَّةِ وَ بِالْعَلَوِيَّةِ الْعَالِيَةِ وَ بِالْفَاطِمِيَّةِ الْبَيْضَاءِ إِلَّا تَفَضَّلْتَ عَلَى تِهَامَةَ بِالرَّأْفَةِ وَ الرَّحْمَةِ. اے میرے خدا، میں محمد محمود، علی عالی، فاطمہ درخشندہ کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اہل مکہ پر اپنی رافت و رحمت سے فضل فرما!

ان اسمائے طیبہ وکریمہ کی برکت سے ان کی پریشانی وبلا دور ہوگئی اور قریش پر ان اسماء کا مقام ان کے (مسمیٰ کے) ظاہر ہونے سے پہلے سے آشکار ہوگیا۔ اعراب ان اسماء کو لکھ کر اپنے پاس رکھتے اور مشکلات وسختیوں میں ان کے وسیلے سے دعا کرتے تھے اور خدا بھی ان کی مشکلات حل فرماتا تھا، لیکن وہ ان اسماء کی حقیقت کو نہیں پہچانتے تھے۔[1]

رہی بات اشرف المخلوقات، غایت خلقت، پیغمبر اعظم محمد ﷺ جو نور قدس الہی سے خلق ہوئے، تو زبان ان کے وصف بیان کرنے سے گنگ ہے۔ ان کے وصی بلا فصل، جنہیں ان سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی یعنی علی بن ابی طالب ؑ، آپ بھی پیغمبر اعظم ﷺ کی تمام فضیلتوں کے حامل ہیں۔ اور ایسے ہی

[1] روضۃ الواعظین: ص ۶۹.

ریحانہ پیغمبر امام حسین علیہ السلام بھی۔ جی ہاں علی اکبر علیہ السلام اس شجرہ طیبہ کی شاخ ہے جس کی جڑ ثابت اور جس کی شاخ و برگ آسمان میں ہیں۔ وہ ان فضائل اور محامد کے وارث اور جمال نبوی وہیبت خلافت الہیہ کے حامل ہیں۔

علی اکبر علیہ السلام کے بارے میں معاویہ کے اعتراف کی جانب واپس لوٹتے ہیں جس میں اس نے کہا کہ ان میں بنی ہاشم کی شجاعت ہے۔ یہاں معاویہ کی شیطنت یہ رہی کہ وہ غزوات رسول اللہ ﷺ میں امیر المومنین علیہ السلام کی شجاعت سے لوگوں کی توجہ ہٹانا چاہتا تھا اور اس کے مقابل ظاہر کر رہا تھا کہ شجاعت (تمام) بنی ہاشم کی فضیلت ہے، یوں وہ امیر المومنین علیہ السلام کی فداکاریوں اور قربانیوں پر پردہ ڈالنا چاہتا تھا۔

معاویہ کی یہ شیطنت اس کلام جیسی ہی ہے جو اس نے امام حسن علیہ السلام کو شہید کرنے کے بعد ابن عباس سے کیا تھا، اس نے کہا: میں نے سنا ہے کہ ابو محمد علیہ السلام کے چھوٹے بچے ہیں تو ان کی کفالت کس کے ذمہ ہے؟ معاویہ اور دوسرے غاصبین جانتے تھے کہ حسین بن علی علیہما السلام لوگوں بالخصوص بنی ہاشم کے امور کے کفیل ہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ ابن عباس کو بڑا دکھا کر امام حسین علیہ السلام کی تنقیص کرے، معاویہ نے ابن عباس سے کہا: اب تو ہی بنی ہاشم کا بڑا اور بزرگ ہے۔ جس کے جواب میں ابن عباس نے اسے دندان شکن جواب دیتے ہوئے کہا: اب ہمارے بڑے اور بزرگ حسین بن علی علیہما السلام ہیں[1] جو بھی کم سن ہو وہ بڑا ہو جاتا ہے بے شک ہمارے بچے اور طفل بڑوں جیسے اور کمال یافتہ ہیں۔[2]

یہ کام فقط معاویہ کا ہی نہیں بلکہ تاریخ کا ہر محقق جانتا ہے کہ عمر بن خطاب نے بھی امیر المومنین علیہ السلام کے مقابل بنی ہاشم کے بعض افراد کو بڑا دکھانے کی کوشش

---

[1] بحار: ج ۱۰، ص ۱۳۷، نقل از ربیع الابرار زمخشری.

[2] العقد الفرید: ج ۲، ص ۳۰۳.

ی تھی تا کہ لوگ فقط علی علیہ السلام کی جانب متوجہ ہو کر انہیں پر متمرکز نہ رہیں اور امت یہ یقین کر لے کہ بیت رسالت میں ایسے دوسرے افراد بھی موجود ہیں جو ان کے دستگیر بن سکتے ہیں اور ان کی پناہ گاہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اسی سیاست کے پیش نظر جس سال مدینے میں قحط پڑا تو اس نے امیر المومنین علیہ السلام کے ہوتے ہوئے بھی عباس بن عبد المطلب کو نماز استسقاء پڑھانے کے لیے شہر سے باہر بھیجا۔[1]

جبکہ کوئی شخص بھی فضیلت و کمالات میں امیر المومنین علیہ السلام کی برابری نہیں کر سکتا، خود عمر نے بارہا کہا: لولا علی لھلک عمر؛ اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔[2]

اللھم لا تبقنی لمعضلہ لیس لھا ابن ابی طالب؛ خدایا مجھے کسی ایسی مشکل میں نہ ڈالنا جس سے نکالنے کے لیے علی بن ابی طالب علیہ السلام نہ ہوں۔[3]

لا ابقانی اللہ بارض لست فیھا یا ابا الحسن؛ خدا مجھے ایسی زمین میں نہ رکھے جس میں اے ابا الحسن آپ نہ ہوں۔[4]

لا ابقانی اللہ بعدک یا علی؛ اے علی علیہ السلام خدا مجھے آپ کے بعد باقی نہ رکھے۔[5]

اعوذ باللہ من معضلہ ولا ابو الحسن لھا؛ میں اس مشکل سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں

---

[1] شرح نہج البلاغہ: ج ۲، ص ۲۵۶۔

[2] ذخائر العقبیٰ: ص ۸۲؛ الریاض النضرہ: ج ۲، ص ۱۹۴؛ فیض القدیر: ج ۴، ص ۳۵۷۔

[3] تذکرۃ الخواص، سبط ابن جوزی: ص ۸۷؛ مناقب خوارزمی: ص ۵۵۔

[4] ارشاد الساری شرح بخاری: ج ۳، ص ۱۹۵۔

[5] الریاض النضرۃ: ج ۲، ص ۱۹۸؛ فیض القدیر: ج ۴، ص ۳۵۷؛ تذکرۃ الخواص: ص ۸۸؛ مناقب خوارزمی: ص ۶۰۔

جسے حل کرنے کے لیے ابوالحسن علیؑ نہ ہوں۔[1]

اعوذ باللہ ان اعیش فی قوم لست فیھم یا ابا الحسن؛ میں خدا کی اس قوم میں رہنے سے پناہ مانگتا ہوں جس میں اے علیؑ تم نہ ہو۔[2]

اللھم لا تنزل بی شدیدۃ الا و ابو الحسن الی جنبی؛ اے خدا میرے اوپر اس وقت تک کوئی مشکل نازل نہ کرنا جب تک میرے پہلو میں علیؑ نہ ہوں۔[3]

عمر جانتا تھا کہ بارگاہ خدا میں امیر المومنینؑ کی دعا فوراً مستجاب ہو گی اور برکات و رحمت و بارش کے نزول کا سبب بنے گی۔ عباس اور ان جیسے دوسروں کی دعا کہاں اور سید الوصیین، اخ الرسول، نفس پیغمبرؑ کی دعا کہاں؟ زیرک شخص جان سکتا ہے کہ عباس کو نماز استسقاء کے لیے بھیج کر امیر المومنین علیؑ کو مدینے میں چھوڑ دینے سے عمر کس ہدف تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا؟ اس کا مقصد فقط یہ تھا کہ لوگوں کو نور قدس الٰہی کی تجلی سے دور رکھا جائے تاکہ وہ اس رحمت واسعہ کے فیض سے محروم رہیں اور امام اسی طرح گوشہ فراموشی میں رہیں۔

اسی وجہ سے عمر نے احادیث نبوی نقل کرنے پر پابندی لگائی۔[4] کیونکہ صحابہ نے علیؑ اور ان کے بیٹوں کے فضائل میں رسول اللہ ﷺ سے کثرت سے احادیث سن رکھی تھیں اور جب وہ دوسرے شہروں یا ملکوں میں جاتے تو لوگ رسول اللہ ﷺ

---

[1] تاریخ ابن کثیر: ج ۷، ص ۳۵۹؛ الفتوحات الاسلامیہ، ابن دحلان: ج ۲، ص ۳۰۶۔

[2] الریاض النضرۃ: ج ۲، ص ۱۹۷؛ منتخب کنز العمال فی حاشیہ مسند احمد: ج ۲، ص ۳۵۲۔

[3] الریاض النضرۃ: ج ۲، ص ۱۹۴؛ علامہ امینی نے اس حوالے سے الغدیر: ج ۳، ص ۹۱ میں تفصیل سے حوالہ جات پیش کیے ہیں۔

[4] مستدرک حاکم: ج ۱، ص ۱۰۲؛ تذکرۃ الحفاظ ذہبی: ج ۱، ص ۷؛ سنن ابن ماجہ: ج ۱، ص ۱۶؛ سنن دارمی: ج ۱، ص ۸۵؛ جامع العلم ابو عمرو صاحب کتاب الاستیعاب: ج ۲، ص ۱۲۰ طبع مصر۔

کی سیرت، حالات اور آپ کی احادیث اور بچوں کے بارے میں پوچھتے تھے۔ ان سب لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے ایسے حقائق کے آشکار ہونے کا ڈر تھا جو امور کے خراب ہونے کا سبب بن سکتے تھے اور جس کے نتیجے میں لوگوں کو اعتراض کرنے کا موقع مل سکتا تھا۔ اس نے احادیث نقل کرنے پر پابندی اسی ہدف کے تحت لگائی کہ امت ان فضائل و مناقب سے دور رہے ورنہ اگر ایسا نہیں تھا تو رسول اللہ ﷺ کے وہ اقوال جو لوگوں کو گمراہی سے نکال کر سعادت و فلاح سے ہمکنار کرنے والے تھے، ان کے نشر کرنے سے ڈر و خوف کیسا؟

علی الاکبر علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں

بیٹا باپ کے وجود کا حصہ اور اس کا ایسا آئینہ ہوتا ہے جس میں باپ کے غرائز، صفات اور خصوصیات وراثت کے قانون کے تحت منعکس ہوتی ہیں۔ جس طرح اولاد باپ سے ارث میں مال پاتی ہے ویسے ہی اس سے اخلاق ورفتار بھی ارث میں حاصل کرتی ہے۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بیٹا باپ کے باطن کے مطابق آگے بڑھتا ہے۔ اگر باپ نے راہ سعادت منتخب کی ہو تو اس کی اولاد بھی سعادت تک پہنچ جاتی ہے اور اگر اس نے شقاوت وبد بختی کی راہ کا انتخاب کیا ہو تو اس کی اولاد بھی اشقیاء کے زمرے میں شمار ہوتی ہے۔[1] یہی وجہ ہے کہ خدا نے والدین کے ساتھ نیکی سے پیش آنا اولاد پر واجب فرمایا ہے بالخصوص اگر وہ نیک اور صالح ہوں۔ ان کے مقام کی بلندی کی خاطر ان کے سامنے شاکر رہنے کو اپنی شکر گزاری کے ساتھ رکھا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ﴾[2] "میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو"۔

ایسے ہی اس نے ان کے ساتھ نیکی اور احسان کو اپنی عبادت کے ساتھ رکھا۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾[3] "اور تیرے رب کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیکی

---

[1] مترجم عرض کرتا ہے: یہ بات اکثر موارد یا ایک بڑی تعداد کے بارے میں توصیح ہو سکتی ہے لیکن بہر حال اسے کلی قاعدہ نہیں مانا جاسکتا، جیسا کہ جناب نوح علیہ السلام کے بیٹے اور یزید کے بیٹے معاویہ بن یزید نیز محمد بن ابی بکر کی مثال سامنے ہے۔

[2] لقمان: ۱۴۔

[3] اسراء: ۲۳

کے ساتھ پیش آؤ"۔

وجہ یہ ہے کہ والدین اپنی اولاد کے وجود کا مبدأ اور اس کے نطفے اور حمل کا مقام ہیں نیز اس کی تربیت کے ذمہ دار اور اس کی روح میں فضائل کی کاشت پر مامور ہیں۔ بنا بریں، والدین اولاد کے رشد کا عامل، اللہ کے دین حق اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی نیز ملکات فاضلہ کی معرفت حاصل کرنے کا سبب و وسیلہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ اولاد کو ان کا شکر گزار رہنا چاہیے۔ خدا نے والدین کے سامنے بات کرنے میں خضوع و فروتنی اپنانے کو اولاد پر واجب فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ اخۡفِضۡ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَۃِ وَ قُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا﴾[1] "محبت و مہربانی کے ساتھ ان کے سامنے رحمت و فروتنی کے بال و پر پھیلائے رکھو اور کہو پروردگارا ان پر ویسے ہی رحمت نازل فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں میری تربیت کرتے ہوئے میرے ساتھ رحم کا معاملہ کیا ہے"۔

اس آیت میں والدین کے لیے دعا کا حکم مطلق ہے، چاہے وہ بقید حیات ہوں یا اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے ہوں، اولاد پر واجب ہے کہ ان کے لیے دعا کرے۔ مفہوم کے تکرار سے امر کا استنباط نہیں ہوتا لہذا ایک بار کے بعد جو زیادہ ہو وہ استحباب پر محمول ہوگا اور یہ محقق آیت اللہ سید علی خان اعلیٰ اللہ مقامہ کا نظریہ ہے۔

یہ آیہ شریفہ اس بات کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ اولاد کی والدین کے لیے شفقت و محبت خود والدین کی اولاد کے لیے شفقت و محبت سے کم ہے، کیونکہ اگر والدین سے اولاد کی محبت زیادہ ہوتی تو خدا ان سے نرمی، فروتنی اور عطوفت کے ساتھ برتاؤ کا حکم نہ فرماتا۔

اولاد کے ساتھ والدین کی شفقت و مہربانی ذاتی ہے اور یہ تمام حیوانات میں پائی

---

[1] اسراء:۲۴۔

جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اولاد کے لیے ہر کمال کے طلبگار ہوتے ہیں۔ اگر اولاد والدین سے بہتر ہو تو یہ اس سے حسد نہیں کرتے بلکہ ہر قسم کی سعادت، کامیابی اور سربلندی کی اس کے لیے آرزو کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس دوسرے کسی کو اپنے سے اوپر نہیں دیکھ سکتے یہی وجہ ہے کہ تمام شریعتوں میں والدین کی عزت و تکریم کرنے پر تاکید کی گئی ہے۔

اور جہالت کی باتوں میں سے ایک وہ ہے جو بعض افراد سے حکایت کی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو متہم کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہے جو میرے عالم کون و فساد میں آنے کا سبب بنا اور مجھے فقر، اندھے پن اور سستی سے دوچار کیا۔ روایت ہے کہ ابو العلاء المعریؒ نے حکم دیا تھا کہ اس کی قبر پر لکھا جائے: یہ میرے باپ کی مجھ پر جفا ہے اور میں نے کسی پر جفا نہیں کی۔

بعض افراد اپنے والد سے زیادہ اپنے استاد کی تعظیم کرتے ہیں ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: استاد ہمیں جہل سے نجات دلانے کے لیے اذیت اٹھاتا ہے اور کوشش کرتا ہے نیز ہمیں علم سے روشناس کرواتا ہے البتہ میرے والد نے فقط اپنی ذات کی لذت چاہی اور مجھے اس عالم کون و فساد کی آفات میں مبتلا کر دیا۔[1]

یہ باتیں ان کی جہالت کی عکاس ہیں کیونکہ اگر والد نے آغاز امر میں لذت کا ارادہ کیا بھی تھا پھر بھی بعد تولد وہ اپنی اولاد کے لیے اچھائیوں تک پہنچنے کا اہتمام کرتا ہے اور زندگی کے پہلے دن سے آخری دن تک اس سے آفات کو دور کرتا ہے، اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے والد کی شکایت کی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے باپ نے اس کے مال میں تصرف کیا

---

[1] شرح صحیفہ سجادیہ، سید علی خان مدنی: ص ۲۳۲، فی باب الدعا للأبوین۔

ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اس کے والد کے پاس بھیج دیا۔ اس کے اپنے والد کے پاس پہنچنے سے پہلے جبرائیل نازل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ اس کے باپ سے اس بات کے بارے میں پوچھیں جو اس نے دل میں کہی تھی۔ والد نے آ کر کہا: یا رسول اللہ ﷺ اس سے پوچھیے کہ میں نے اس کا مال کس پر خرچ کیا ہے؟ خود پر یا اس کی خالہ اور پھوپیوں پر؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ سوال کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھو اور وہ بتا جو تو نے دل میں کہا ہے! اس نے جواب دیا: یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم، اللہ آپ پر میرے یقین کو مسلسل بڑھاتا جا رہا ہے، میں نے وہ بات کہی تھی جو خود میرے کانوں نے بھی نہیں سنی تھی۔ آپ نے فرمایا: کہہ میں سن رہا ہوں!

باپ نے کچھ اشعار پڑھے جن کا اردو میں خلاصہ کچھ یوں ہے:

میں جوانی سے ہی تیرے کھانے پانی کی فکر میں تھا، اگر تو بیمار ہو جاتا تو ایسا لگتا جیسے مجھے مرض لاحق ہو گیا ہے، مجھے ڈر لگتا تھا کہ کہیں تجھے موت نہ آ لے۔ اب تو بلند قامت اور جوانی کی قدرت کا حامل ہو گیا ہے تو میری سزا یہ ہے کہ میرے ساتھ سختی سے پیش آئے اور میرے ساتھ بد اخلاقی کرے؟ جیسے تو میرے بخشندہ اور نعمتوں کا دینے والا ہے؟ اب تو میرا حق پدری ادا نہیں کرتا کاش تو ایک ہمسائے کے حقوق جتنا ہی میرے حق کا پاس رکھتا؟

رسول اللہ ﷺ نے جب باپ کے اس کلام کو سنا تو اس جوان سے فرمایا: اٹھ تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کے ہیں۔[1]

اس بنا پر اولاد والدین کی جس قدر بھی خدمت کر لے ان کی محبت، دلسوزی اور راتوں کی نیندوں کا صلہ نہیں دے سکتی کیونکہ اولاد کی پوری زندگی میں یہ دونوں اسے خیر پہنچانے اور اس سے مشکلات و آزار و اذیت کو دور کرنے میں کوشاں رہتے ہیں، اس کی

---

[1] احکام القرآن، ابن عربی: ج ۲، ص ۳۵.

سلامتی چاہتے ہیں چاہے اس کے بدلے خود گرفتار بلا ہو جائیں۔ کیا اولاد والدین کا شکریہ ادا کر سکتی ہے اور ان کی نیکیوں اور احسان کا صلہ دے سکتی ہے؟

یہی وجہ ہے کہ شریعت مقدس نے والدین کا احترام اور ان کی ناراضگی سے اجتناب کرنا واجب قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾ "جب بھی ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے سامنے اف تک نہ کہنا، انہیں جھڑ کنا نہیں اور ان کے ساتھ اچھے انداز میں بات کرنا"۔[1]

آیت میں موجود لفظ "اف" زیادہ سے زیادہ احترام، اچھے سلوک اور نرمی سے پیش آنے پر تاکید و مبالغے کے معنی دیتا ہے۔ اف وہ مختصر ترین لفظ ہے جو متکلم کے ملال خاطر اور بے حوصلہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے اور اس سے بھی منع کیا گیا ہے چہ جائیکہ کہ خدانخواستہ اس سے بڑی بات کی جائے۔ آیت: ﴿وَلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ میں موجود مفہوم اس کام کا انجام ہے جو والدین کے میلان و خواہش کے خلاف انجام پائے نہ کہ اس سے مراد انہیں رد کرنا ہے۔ اس آیت میں: ﴿وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ مراد یہ ہے کہ ان کی خواہش کو پورا کر۔ والدین کے ساتھ تندی سے پیش آنا اور انہیں جھڑکنا خود کلمہ اف کے مفہوم میں موجود ہے۔ یہ نہی فقط ان کے بڑھاپے سے متعلق نہیں بلکہ اولاد تمام حالات و ادوار میں والدین کا احترام و تکریم کرے۔ اس آیت میں لفظ الکبر (یعنی بڑھاپا) آیا ہے کیونکہ اس دور میں والدین کو اولاد کی خدمت و احترام کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

---

[1] اسراء: ۲۳.

والدین کے ساتھ نیکی کرنا ان کے مسلمان ہونے میں منحصر نہیں، اگر وہ مشرک بھی ہوں تب بھی لازم ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھے اور ان کے ساتھ محترمانہ انداز میں پیش آئے کیونکہ خداوند عالم کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾[1] "اور اگر وہ تجھے شرک کی جانب بلانے کی کوشش کریں اور جسے وہ نہیں جانتے اسے میرا شریک قرار دیں تو ان کی اطاعت نہ کرنا"۔

یعنی فقط ایک مقام ایسا ہے جہاں اولاد پر والدین کی اطاعت لازم و واجب نہیں اور وہ یہ کہ جب مشرک والدین چاہیں کہ ان کا بیٹا بھی مشرک ہو جائے۔ اس مقام پر بھی ان کے ساتھ بد سلوکی اور بے احترامی جائز نہیں کیونکہ خداوند عالم حدیث قدسی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرماتا ہے:

أَخْبِرْ عِبَادِي أَنَّ مَنْ عَقَّ وَالِدَيْهِ أَوْ سَبَّهُمَا مُسْلِمَيْنِ كَانَا أَوْ مُشْرِكَيْنِ ثُمَّ مَاتَ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَا فَلَا أَمَانَ لَهُ عِنْدِي. "میرے بندوں کو آگاہ کر دے: جو کوئی بھی والدین کو خوار کرے اور ان کی نافرمانی کرے نیز انہیں دشنام دے چاہے یہ والدین مشرک ہوں یا مسلمان، ایسا شخص اگر والدین سے پہلے مر گیا تو اسے میرے یہاں کوئی امان حاصل نہ ملے گی"۔[2]

اسماء بنت عمیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے اپنی مشرکہ ماں کے ساتھ نیکی کرنے کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: ہاں اپنی ماں کے ساتھ نیکی کر۔

ایک شخص نے امام صادق علیہ السلام سے اپنے مخالف مذہب کے پیروکار والدین کے

---

1 عنکبوت: ۸۔

2 مستدرک الوسائل: ج ۲، ص ۶۳۱، عن لب اللباب راوندی۔

ساتھ نیکی کرنے کے بارے میں پوچھا۔ امام نے فرمایا: بَرَّهُمَا كَمَا تَبَرُّ الْمُسْلِمِينَ. ان کے ساتھ ویسے ہی نیکی کر جیسے مسلمانوں کے ساتھ کرتا ہے۔[1]

اس آیت میں شرک کرنے والوں سے مراد فقط کافر نہیں بلکہ اگر والدین خدا کی معصیت اور گناہ کرنے کا حکم دیں تو وہ بھی اس آیت میں شامل ہیں۔ البتہ جہاد پر جانے کے لیے والدین کی اجازت لازم نہیں اور اس امر میں ان کی مخالفت کرنا حرام نہیں۔ صاحب جواہر نے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وہ اصحاب بھی جہاد پر جاتے تھے جن کے والدین کافر تھے جیسے ابوبکر، ابو حذیفہ، عتبہ بن ربیعہ وغیرہ۔ فخر الدین رازی نے شرک کی تفسیر کرتے ہوئے اس نظریے سے دوری اختیار نہیں کی۔[2]

والدین کی اطاعت کرنا ان کے آزاد یا غلام ہونے سے بھی مربوط نہیں، بلکہ اولاد پر کسی بھی حالت میں ان کی اطاعت ساقط نہیں۔ شیخ طوسی اور شہید اول و دوم نے اس کے وجوب کی تصریح فرمائی ہے۔ اگر والدین غلام ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کرانا ان کے ساتھ نیکی کرنے کی اقسام میں شمار کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

لَا يَجْزِي وَلَدٌ عَنْ وَالِدِهِ إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيَهُ وَيُعْتِقَهُ. اولاد والدین کا حق ادا نہیں کر سکتی مگر یہ کہ اگر والدین غلام ہوں تو انہیں خرید کر آزاد کر دے۔[3]

والدین کے ساتھ نیکی کرنا ان کی حیات اور موت دونوں صورتوں میں واجب ہے۔[4] رسول اللہ ﷺ سے مروی ایک حدیث میں ہے: اولاد والدین کے لیے نماز

---

[1] ایضا: ص ۲۶۸.

[2] مفاتیح الغیب: ج ۲، ص ۵۴۱.

[3] مستدرک الوسائل: ج ۲، ص ۶۳۳، نقل از کتاب التعریف.

[4] مجمع البیان: ج ۶، ص ۳۱۰، صیدا.

پڑھے، استغفار کرے، ان کے عہد و پیمان کو نبھائے اور ان کے دوستوں کا احترام کرے۔[1]

والدین کے رشتے داروں سے تعلق قائم رکھنا بھی دراصل ان دونوں کے ساتھ نیکی کرنے کے موارد میں سے ایک ہے۔ اس ذریعے سے ان کے ساتھ نیکی کرنے کے فوائد مرتب ہوتے رہتے ہیں اور اس سبب سے خداوند عالم اولاد کو خیر کثیر سے نوازتا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام نے والدین کے عاق شدہ افراد میں انہیں بھی شمار کیا ہے جو ان دونوں کی وفات کے بعد ان کا قرض ادا نہ کرے نیز ان کے لیے طلب مغفرت نہ کرے پھر چاہے اس نے ان دونوں کی زندگی میں ان کے حقوق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی ہو۔ وہ موارد جنہیں عاق والدین میں شمار کیا گیا ہے ان میں انہیں گھور کر دیکھنا، ان کا نام لے کر بلانا، ان سے آگے چلنا اور جب وہ کھڑے ہوئے ہوں تو ان کے سامنے بیٹھ جانا شامل ہے۔

اگر والدین اپنی زندگی میں اولاد کو عاق کر دیں تو ان کی موت کے بعد عاق شدہ اولاد پر ان کے لیے طلب مغفرت لازم ہے، ان کی جانب سے صدقہ دے اور ان کا قرض ادا کرے، ان کی نیابت میں نیک کام انجام دے تاکہ یہ اس کے لیے بارگاہ خدا میں قرب کا موجب بنیں اور وہ خدا کی رحمت و رضوان کا مستحق قرار پائے۔ والدین کے ساتھ نیکی کرنا طول عمر کا باعث ہے اور خود نیکی کرنے والی اولاد کے ساتھ اس کی اولاد کے نیکی کے ساتھ پیش آنے کا سبب بنتا ہے۔

إِنَّ لِلّٰهِ مَلَكَيْنِ يَتَنَاجَى أَحَدُهُمَا الْآخَرَ وَ يَقُولُ اللّٰهُمَّ احْفَظِ الْبَارِّينَ بِعِصْمَتِكَ وَ الْآخَرُ يَقُولُ اللّٰهُمَّ أَهْلِكِ الْعَاقِّينَ بِغَضَبِكَ. خداوند متعال کے دو فرشتے ہیں: ان میں

---

[1] جامع السعادات، نراقی: ص ۳۳۶، طبع ایران۔

سے ایک کہتا ہے: خدایا والدین کے ساتھ نیکی کرنے والوں کی اپنی جناب سے حفاظت فرما، جبکہ دوسرا کہتا ہے: خداوندا والدین کے عاق کردہ کو اپنے غضب سے ہلاک فرما۔[1]

عمار بن حیان نے اپنے بیٹے اسماعیل کی نیکی کا امام صادق علیہ السلام کے سامنے ذکر کیا۔ امام مسرور ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ان کی رضاعی بہن کے ساتھ سلوک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جیسے ہی وہ ان کے پاس پہنچی رسول اللہ ﷺ نے اپنی دولائی ان کے لیے بچھائی اور اسے اس پر بٹھایا جبکہ اس کے بھائی کے ساتھ ایسا نہیں کیا۔ آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا: وہ اپنے بھائی سے زیادہ والدین کے ساتھ نیکی سے پیش آتی ہے۔[2]

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: رَحِمَ اللّٰهُ وَالِدَيْنِ حَمَلَا وَلَدَهُمَا عَلٰى بِرِّهِمَا [و لم يضطره الى العقوق]. خدا ان والدین پر رحمت کرے جو خود سے نیکی کرنے میں اپنے بیٹے کی مدد کریں اور اسے مضطر نہ چھوڑیں تاکہ عاق ہو جائے۔[3]

ہر چند کہ والدین میں سے دونوں ہی اولاد پر حق رکھتے ہیں لیکن شریعت اسلام میں ماں کے حق کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا کہ والدین میں سے کس کے ساتھ نیکی کروں؟ فرمایا: ماں کے ساتھ! اس مرد نے تین بار یہی سوال کیا اور رسول اللہ ﷺ نے یہی جواب دیا اور چوتھی بار سوال کرنے پر باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم فرمایا۔[4]

شكى رجل الى رسول الله ﷺ سوء خلق أمه، فقال: لم تكن سيئة الخلق حين

---

[1] لب اللباب الراوندی [مستدرک الوسائل: ج ۱۵، ص ۱۷۶].

[2] سفینۃ البحار، عباس قمی: ج ۲، ص ۶۸۶.

[3] مکارم الاخلاق: ص ۳۰۰. قوسین کے درمیان کی عبارت اصل منبع میں موجود نہیں۔ (مترجم)

[4] سبط الطبری فی المشکاۃ.

حملتك تسعة أشهر. قال: إنها سيئة الخلق قال: لم تكن كذلك حين أرضعتك حولين. قال: إنها سيئة الخلق. قال: لم تكن كذلك حين أسهرت لك ليلها وأظمأت نهارها. قال: لقد جازيتها. قال: ما فعلت؟ قال: حججت بها على عاتقي. قال: ما جازيتها ولا طلقة[1].

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اپنی ماں کی بد اخلاقی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: جب اس نے نو ماہ تجھے اپنے رحم میں رکھا، دو سال تک دودھ پلایا، راتوں کو تیرے لیے جاگتی رہی اور دنوں میں تیرے لیے پیاسی رہی اس وقت وہ بد اخلاق نہیں تھی؟ اس مرد نے کہا: میں نے اس کی زحمات کا اجر اسے دے دیا ہے، میں نے اسے اپنے کندھے پر بٹھا کر حج کروایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو کبھی بھی اس کی زحمتوں کا صلہ نہیں دے سکتا یہاں تک کہ اس درد کا بھی نہیں جو اس نے تجھے جنم دیتے ہوئے سہا تھا۔

امام رضا علیہ السلام سے مروی ایک روایت میں ہے: أَنَّ حَقَّ الْأُمِّ أَلْزَمُ الْحُقُوقِ وَ أَوْجَبُهَا لِأَنَّهَا حَمَلَتْ حَيْثُ لَا يَحْمِلُ أَحَدٌ أَحَداً وَ وَقَتْ بِالسَّمْعِ وَ الْبَصَرِ وَ جَمِيعِ الْجَوَارِحِ مَسْرُورَةً مُسْتَبْشِرَةً بِذَلِكَ فَحَمَلَتْهُ بِمَا فِيهِ مِنَ الْمَكْرُوهِ وَ الَّذِي لَا يَصْبِرُ عَلَيْهِ أَحَدٌ وَ رَضِيَتْ بِأَنْ تَجُوعَ وَ يَشْبَعَ وَلَدُهَا وَ تَظْمَأَ وَ يَرْوَى وَ تَعْرَى وَ يَكْتَسِيَ وَ يَظَلَّ وَ تَضْحَى فَلْيَكُنِ الشُّكْرُ لَهَا وَ الْبِرُّ وَ الرِّفْقُ بِهَا عَلَى قَدْرِ ذَلِكَ.

حقوق میں سب سے زیادہ واجب اور بڑا حق ماں کا ہے کیونکہ وہ بچے کو اس مقام پر رکھتی ہے جہاں کوئی نہیں رکھتا، بچے کی کان، آنکھ اور بقیہ تمام اعضاء کے ہمراہ خوشی و نشاط سے محافظت کرتی ہے۔ حمل کے دوران وہ سختیاں اور مشکلات برداشت کرتی ہے

---

[1] شرح صحیفہ سجادیہ، علی خان مدنی: ص ۲۲۷، نقل از تفسیر الکشاف: ج ۲ ص ۶۵۹۔

جو کوئی برداشت نہیں کرتا، خود بھوکی رہنے پر راضی ہو جاتی ہے لیکن بچے کو سیر کرتی ہے، خود پیاسی رہتی ہے لیکن بچے کو سیراب کرتی ہے، خود بے لباس رہتی ہے لیکن بچے کو ملبوس رکھتی ہے، خود سورج کی تمازت برداشت کرتی ہے لیکن بچے کو سائے میں رکھتی ہے۔ لہذا اس کا شکریہ ادا کرنا اور اس کی نیکیوں اور احسانوں کے برابر اس سے نیکی واحسان کرنا لازم ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: حَقُّ الْوَالِدِ قَالَ أَنْ تُطِيعَهُ مَا عَاشَ قِيلَ وَمَا حَقُّ الْوَالِدَةِ فَقَالَ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لَوْ أَنَّهُ عَدَدَ رَمْلِ عَالِجٍ وَقَطْرِ الْمَطَرِ أَيَّامَ الدُّنْيَا قَامَ بَيْنَ يَدَيْهَا مَا عَدَلَ ذَلِكَ يَوْمَ حَمَلَتْهُ فِي بَطْنِهَا. باپ کا حق یہ ہے کہ جب تک وہ زندہ ہے اس کی اطاعت کی جائے لیکن ماں کا حق ادا نہیں ہو سکتا نہیں ہو سکتا، اگر اولاد صحرا کی ریت کے ذروں اور دنیا میں برسنے والی بارش کے قطروں کے برابر بھی اس کے سامنے (خدمت کے لیے) کھڑی رہے تو یہ دوران حمل کے ایک دن کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔[2]

اس موضوع کی اہمیت دوران حمل، زچگی وغیرہ میں مشکلات اور مشقتیں برداشت کرنا ہے جو کہ والد کے یہاں نہیں پائی جاتیں۔[3] لہذا روایت میں آیا ہے:

ان الجنة تحت الاقدام امہات؛ "جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے"۔[4]

اور اگر ماں دوران زچگی دنیا سے رخصت ہو جائے تو شہداء میں شمار ہوتی ہے۔[1]

---

[1] فقہ الرضا علیہ السلام: ص ۳۳۴.

[2] عوالی اللآلی: ج ۱، ص ۲۶۹.

[3] التعریف بحقوق والدین، کراجکی، نسخہ خطی.

[4] لب اللباب راوندی.

البتہ یہ بات بدیہی ہے کہ واجبات عینی کو ترک کرنے کے سلسلے میں والدین کی اطاعت معتبر نہیں، کیونکہ تمام فقہاء نے اس حدیث: لا طاعة المخلوق [لمخلوقٍ] في معصية الخالق. سے استناد کرتے ہوئے فتوی دیا ہے کہ جہاں پر کسی بھی مخلوق کی اطاعت کی وجہ سے خالق کی معصیت ہوتی ہو وہاں اطاعت مخلوقات ساقط ہے۔ اس مطلب پر کتاب المنتہیٰ میں علامہ حلی نے تصریح فرمائی ہے۔ لیکن جہاد و نماز میت جیسے واجبات کفائی میں بعض فقہاء نے امام صادق علیہ السلام کے فرمان سے استناد کرتے ہوئے والدین کی اجازت لازم قرار دی ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جاءَ رجلٌ إلى رسولِ اللهِ ص فقالَ يا رسولَ اللهِ إنّي راغبٌ في الجهادِ نشيطٌ ... إنّ لي والدَينِ كبيرَينِ يزعمانِ أنّهما يأنسانِ بي ويكرهانِ خروجي فقالَ رسولُ اللهِ ص أقِمْ مع والدَيكَ فو الّذي نفسي بيدِه لأُنسُهما بكَ يوماً و ليلةً خيرٌ مِن جهادِ سنةٍ. ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میں جہاد میں شریک ہونے کا مشتاق ہوں لیکن میرے والدین بوڑھے ہیں اور مجھ سے انسیت رکھتے ہیں نیز میرے جہاد میں شرکت کرنے سے کراہت رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے والدین کے پاس ہی رہ، اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ان کی تجھ سے ایک شب و روز کی انسیت ایک سال کے جہاد سے بہتر ہے۔[2]

ایک دوسرے شخص کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے کہا: میں جہاد میں جانے کو پسند کرتا ہوں لیکن میری ماں میرے جانے پر راضی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] روح المعانی: ج ۲۱، ص ۸۶.

[2] مستدرک الوسائل: ج ۲، ص ۲۴۵.

نے فرمایا: اپنی ماں کے پاس رہ! اس ذات کی قسم جس نے مجھے مبعوث کیا، اس کی تجھ سے ایک شب کی انسیت تیرے ایک سالہ جہاد سے بہتر ہے۔[1]

ابن عباس کی حدیث میں آیا ہے: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: میں آیا ہوں تاکہ ہجرت کرنے کے پیمان پر آپ کی بیعت کروں لیکن میرے والدین اس بات پر گریاں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کے پاس واپس لوٹ جا اور جس طرح تو نے انہیں رلایا ہے ویسے ہی انہیں شاد و خوش کر۔

یہ احادیث والدین کے ساتھ محبت و نرمی سے پیش آنے انہیں ہنسانے اور خوش کرنے اور ان سے انسیت رکھنے سے زیادہ کسی چیز پر دلالت نہیں کرتیں۔ اگر وہ واجبات کفائی میں سے کسی چیز میں مانع ہو تو ان کی مخالفت کرنا حرام ہے اور اگر انہوں نے اس کی نہی نہ کی ہو تو ان کی انجام دہی حرام نہیں۔ مذکورہ روایات ان سے اذن لینے پر دلالت نہیں کرتیں بلکہ اگر فقط یہی کافی ہو کہ وہ بچے کے جہاد پر جانے کی راہ میں مانع نہ ہوں تو بیٹا گناہگار نہیں ہے نیز اس کا سفر بھی سفر معصیت شمار نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے فقہاء کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ اگر والدین جہاد کی ممانعت نہ کریں تو ان سے اذن لینا لازم نہیں۔

سعید بن جبیر کہتا ہے: ایک یمنی شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس ہجرت کر کے آیا۔ آپ نے فرمایا: هَلْ لَكَ أَحَدٌ بِالْيَمَنِ فَقَالَ أَبَوَانِ قَالَ ص أَذِنَا لَكَ قَالَ لَا قَالَ ارْجِعْ فَاسْتَأْذِنْهُمَا فَإِنْ أَذِنَا لَكَ فَجَاهِدْ وَإِلَّا فَبِرَّهُمَا. کیا یمن میں تیرا کوئی ہے؟ عرض کی: میرے والدین! فرمایا: کیا انہوں نے تجھے اجازت دے دی ہے؟ عرض کیا: نہیں! فرمایا: ان کے پاس واپس لوٹ جا اور ان سے اجازت لے، اگر اجازت دے دیں تو جہاد کر ورنہ ان کے ساتھ نیکی کر۔[1]

---

[1] وسائل الشیعہ: ج ۲، ص ۲۱۷.

اس روایت میں والدین کی اجازت جہاد کی شرط شمار کی گئی ہے، لیکن چونکہ اس کا سلسلہ روات مجہول ہے لہذا یہ ان فقہاء کے لیے مستند نہیں بن سکتی جو جہاد میں اذن والدین کو شرط سمجھتے ہیں۔

نماز ہائے نافلہ، زیارت پر جانا، صدقات دینا طلب علم وغیرہ جیسے مستحبات اگر اولاد پر واجب عینی نہ ہوئے ہوں تو بعض علماء نے ان کے لیے والدین کی اجازت کو شرط جانا ہے۔ اس فتوے کی علت وہ روایت ہے جو امام صادق علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا:

مِن بِرِّ الوَلَدِ أَن لا يَصُومَ تَطَوُّعاً وَلا يَحُجَّ تَطَوُّعاً وَلا يُصَلِّيَ تَطَوُّعاً إِلّا بِإِذنِ أَبَوَيهِ وَ... (الا) كَانَ الوَلَدُ عَاقّاً قَاطِعاً لِلرَّحِمِ. والدین کے ساتھ اولاد کی جملہ نیکیوں میں سے ایک نیکی یہ ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر مستحب روزہ نہ رکھے، مستحب حج پر نہ جائے، مستحب نماز نہ پڑھے اور اگر ایسا نہیں کرتا تو عاق والدین اور قطع رحم کرنے والا ہو گا۔[2]

مذکورہ حدیث کے راویوں میں سے ایک احمد بن ہلال عبرتائی ہے جس کے غالی اور کذاب ہونے پر علمائے رجال متفق ہیں لہذا اس کی حدیث پر اعتناء نہیں کیا جا سکتا نیز اس پر استناد کرتے ہوئے فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ لہذا علامہ مجلسی رحمہ اللہ نے مرآۃ العقول: ج ۳، ص ۲۳۸ اور میرزائے قمی رحمہ اللہ نے الغنائم: ص ۵۰۰ پر اس حدیث کو ضعیف شمار کیا ہے۔

بعض فقہاء کی نظریہ ہے کہ ہر غیر حرام کام میں والدین کی اطاعت کرنا لازم ہے یہاں تک کہ شبہات میں بھی مثلاً اگر وہ اسے اپنے ساتھ ایک مشتبہ مال کھانے کا حکم

---

[1] مستدرک الوسائل: ج ۲، ص ۲۴۵۔ مصدر میں حدیث ابو سعید خدری سے روایت ہوئی ہے۔ (مترجم)

[2] علل الشرائع، صدوق: ص ۱۳۴، باب ۱۱۵۔

دیں تو ان کی اطاعت کرے کیونکہ ان کی اطاعت واجب ہے اور اگر کسی چیز کے مستحب ہونے پر شک ہو مثلاً اگر اس سے کوئی کام کہیں جو نماز اول وقت سے ٹکرا رہا ہو تو لازم ہے کہ نماز میں تاخیر کرے کیونکہ ان کی اطاعت واجب ہے اور اگر اولاد مستحب نماز پڑھ رہی ہو اور والدین اسے آواز دیں تو لازم ہے کہ نماز توڑ کر ان کے پاس جائے۔ ان تمام موارد میں ایک روایت سے استدلال کیا گیا ہے: ایک خاتون نے اپنے جریج نامی بیٹے کو آواز دی لیکن چونکہ وہ مستحب نماز پڑھ رہا تھا اس لیے اس نے جواب نہیں دیا۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتائی گئی تو آپ نے فرمایا: اگر جریج فقیہ ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ ماں کو جواب دینا مستحب نماز سے بہتر تھا۔[1]

لیکن صاحب جواہر رحمہ اللہ نے والدین کی اطاعت کی عمومیت کے وجوب کے انجام پر یا اس چیز کو ترک کرنے پر جس کا وہ اولاد کو حکم دیں بشرطیکہ ان کے لیے آزار کا باعث نہ بنے، اشکال واعتراض کیا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ اس حوالے سے کوئی قانع کنندہ دلیل موجود نہیں کیونکہ جس عاق سے منع کیا گیا ہے وہ ان کے ساتھ احسان ونیکی کی ضد ہے جو کہ ایک عرفی امر ہے۔ اس بنا پر جو چیز بھی عرف میں عاق ہونے کا سبب ہو اور والدین کی ناراضگی کا سبب بنے وہ حرام ہے اور جس مورد پر عرفاً عاق صادق نہ آئے وہ حرام نہیں۔[2]

کہا جا سکتا ہے کہ والدین اور اولاد کے رابطے کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ زیادہ تر اولاد کو مؤدب کرنے، انہیں والدین کی نافرمانی سے دور رکھنے اور ان کے بلند مقام کے درک کی خاطر ہے۔ لہٰذا سزاوار ہے کہ اولاد والدین کے سامنے ویسے رہے جیسے ایک ذلیل وخوار غلام اپنے آقا و مولا کے سامنے رہتا ہے۔

---

[1] قواعد شہید اول: ص ۲۱۲.

[2] جواہر الکلام: کتاب الجہاد، اعتبار اذن الابوین.

جو مطلب ہم نے اخذ کیا اس پر دلیل وہ روایت ہے جس میں معصوم علیہ السلام سے پوچھا گیا: کسی ایسے پیش نماز کی اقتداء کرنے کا کیا حکم ہے جس سے کوئی خطا نہیں دیکھی گئی سوائے اس کے کہ وہ اپنے والدین (کے حکم) کی مخالفت کرتا ہے؟ امام نے فرمایا: مشکل نہیں ہے۔

اگر والدین کی مطلق مخالفت عاق ہونا محسوب ہوتی تو ایسے شخص کی نماز میں اقتداء کرنا صحیح نہ ہوتا۔ شاید شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے کی بنیاد یہی روایت ہو جو انہوں نے کہا: واجب یا مستحب حج، ترک نماز، واجب یا مستحب روزہ اور بطور کلی کسی بھی اطاعت (الٰہی) کے ترک میں اولاد پر والدین کی اطاعت واجب نہیں۔

صاحب جواہر کا کہنا ہے کہ فرق نہیں پڑتا، والدین میں سے کوئی ایک اسے منع کرے یا دونوں، لیکن اگر اس کے والدین میں سے کوئی ایک اسے کوئی کام انجام دینے کا حکم دے اور دوسرا منع کرے تو ظاہراً اصل کی بنیاد پر وجوب اطاعت ساقط ہو جائے گا۔

ممکن ہے کہ صاحب جواہر کا اصل سے مقصود والدین کا ایک دوسری کی مخالفت و تعارض کی وجہ سے ان کی اطاعت کا عدم وجوب ہو۔ لیکن ہم یہ کہیں کہ ماں چونکہ زیادہ حق رکھتی ہے لہذا اس کے حکم کو ترجیح دی جائے گی اور اسی پر عمل کیا جائے گا بالخصوص اگر اس کے حکم کا ترک کرنا اس کی ناراضگی اور اس کے عاق ہونے کا سبب بنے۔ لیکن اگر عرف عام میں یہ لازمہ ضروری نہ سمجھا جاتا ہو تو اس کے حکم پر عمل نہ کرنا حرام نہیں۔ وارد شدہ احادیث میں لفظ والدین اجداد اور جدات کو بھی شامل ہے۔ علامہ حلی نے کتاب التذکرۃ میں اور شہید ثانی نے المسالک میں اس مطلب کی تصریح فرمائی ہے۔ شہید اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: اجداد و جدات کی اطاعت کا وجوب والدین کی اطاعت پر مقدم ہے، یہاں تک کہ اگر ان کی نظر والدین کی نظر کے مخالف ہو۔

علی الاکبر علیہ السلام دررہ کربلا

والدین کے ساتھ اولاد کے سلوک کے بارے میں ہم نے بحث پیش کی۔ اس بات میں شک نہیں کہ والدین کی اطاعت کرنے میں اولاد کا درک وشعور اور انسانی اخلاق وفضائل ایک سے نہیں ہوتے۔ جس قدر ایمان قوی تر، عقل کامل تر، درک و احساس بیشتر، اور انسان کی روح رزائل وپستیوں سے دور ہوگی اسی قدر انسان خدائے متعال کا قرب حاصل کرے گا، واجبات کی انجام دہی میں کوشاں رہے گا اور عظمت پروردگار کے سامنے خاضع وخاشع ومطیع نظر آئے گا۔

علی اکبر علیہ السلام صفات جلال و جمال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات کے کامل آئینہ دار تھے۔ وہ مبدا اعلیٰ سے متصل اور اس فناپذیر دنیا سے رخ موڑے ہوئے تھے۔ ان کی پاک اور قدسی روح اس دنیا سے جس میں بارگاہ عزربوبی نہ ہو منہ پھیرے ہوئے تھی۔ ان کی قوت ایمان اور مؤثر بصیرت پر یہی دلیل کافی ہے کہ انہوں نے حق کی خاطر جان فدا کردی اور اپنے والد کے ہمراہ اہداف کی سربلندی کی خاطر اس مقدس تحریک میں شرکت کی جبکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان وحشتناک حالات میں لوگوں نے اپنے امام سے پشت پھیرلی تھی اور اسے تنہا چھوڑ دیا تھا اور سب خاندان رسالت کی جڑ اکھاڑنے پر تل گئے تھے، نیز تنے ہوئے نیزوں، آبدار تلواروں اور کئی کئی پھلوں والے تیروں کے ساتھ ان سے جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

علی اکبر علیہ السلام نے مخلص اور تسلیم محض ہو کر اس امام برحق کے سامنے جانبازی اور فداکاری کی اور مقابل لشکر کی کثرت سے ان کے ارادے اور عزم میں رتی برابر بھی خلل واقع نہیں ہوا۔ جس قرب کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اور جو ان کی آرزو بھی تھا

وہ اس تک پہنچنے کے لیے شاداں و مصمم ارادے کے ساتھ بنا کسی تھکن کے آگے بڑھے چلے جاتے تھے۔

عقبہ بن سمعان کی روایت ان کے شہادت کی منزل پر فائز ہونے اور قرب باری تعالی تک پہنچے کے اشتیاق پر گواہ ہے۔ وہ کہتا ہے: قصر بنی مقاتل پر امام حسین علیہ السلام نے رات گزاری۔ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے امام پر غنودگی طاری ہوئی۔ جب آپ بیدار ہوئے تو تین بار فرمایا: ((انا للہ و انا الیہ راجعون و الحمد للہ رب العالمین)) امام حسین علیہ السلام کے لخت جگر علی اکبر علیہ السلام جو گھوڑے پر سوار تھے ان کے پاس پہنچے اور عرض کی: میں آپ پر قربان اس وقت کلمہ استرجاع کہنے اور حمد الہی کرنے کی کیا وجہ تھی؟ امام نے فرمایا: يا بني إني خفقت برأسي خفقة فعنّ لي فارس على فرس فقال: القوم يسيرون و المنايا تسري إليهم. فعلمت أنها أنفسنا نعيت إلينا!. قال له: يا أبت ألسنا على الحق؟!. قال [عليه السلام]: بلى و الذي إليه مرجع العباد!. قال: يا أبت إذا لا نبالي؛ نموت محقين!. فقال له: جزاك الله من ولد خير ما جزى ولدا عن والده. میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک سوار نے میرے مرکب کی عنان تھام رکھی ہے اور کہہ رہا ہے: یہ چلتے جا رہے ہیں اور موت کو اپنے پیچھے پیچھے لا رہے ہیں۔ میں جان گیا کہ ہماری زندگی کی امید نہیں ہے۔ علی اکبر علیہ السلام نے عرض کی: بابا جان! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کی جانب بندوں کو لوٹنا ہے، ہم حق پر ہیں! علی اکبر علیہ السلام نے کہا: پھر جب ہم حق پر ہیں تو موت سے کوئی ڈر نہیں۔ امام نے فرمایا: خدا تجھے وہ بہترین اجر دے جو ایک باپ اپنے بیٹے کو دیتا ہے۔[1]

---

[1] طبری، ج۶، ص ۲۳۱

علی الاکبر علیہ السلام سوئے فرات

پانی ہر جاندار کے لیے زندگی ہے اور ہر جاندار کو اس کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ خداوند متعال کا ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ "اور ہم نے پانی میں ہر چیز کے لیے حیات رکھی ہے"۔

خدا نے اس جہان میں ہر موجود کی حیات اور اس حیات کے سلسلے کے تسلسل کو پانی سے وابستہ قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اسے ہر ایک کے لیے مباح فرمایا ہے:

الناس شرع سواء فی الماء و الکلاء؛ انسان پانی اور چراگاہ سے استفادہ کرنے میں مساوی ہیں۔

فقط پست عنصر، بے اصل اور لئیم افراد دوسروں کو پانی سے محروم کرتے ہیں؛ اور یہ وہ افراد ہیں جن کے لیے انسانوں کی حیات بے معنی ہے۔ ائمہ حق اور انبیائے الٰہی علیہم السلام کی زندگی میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ انہوں نے کسی پر پانی بند کیا ہو یہاں تک کہ اپنے دشمنوں پر بھی نہیں۔ یہ بات کبھی کسی ایسے شخص کے بارے میں نہیں سنی گئی جس میں ذرا بھی بوئے شرافت اور جوانمردی ہو۔

جنگ صفین میں معاویہ دریا پر قابض ہوا تو امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر پر پانی بند کر دیا۔ لیکن جب قائد عظمت اور امام ہدیٰ علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے شمشیر کاری کے زور پر ان ظالموں سے دریا کا قبضہ چھین لیا تو آپ نے اسے دوست و دشمن دونوں پر کھول دیا۔

یہ ہے بنی ہاشم کی بزرگواری اور کرامت اور یہ ہے بنی امیہ کی پستی اور رذالت۔

کربلا کے راستے میں سید الشہداء علیہ السلام نے حر اور اس کے ہزار افراد پر مشتمل لشکر کو ان کے گھوڑوں سمیت پانی پلایا جبکہ اس وقت وہ خطرناک حالات میں تھے اور ان کے پاس سب سے قیمتی اور کمیاب چیز پانی ہی تھی۔ لیکن امام حسین علیہ السلام کی قدسی روح، کرامت نبوی اور طیب وطاہر ذات نے انہیں اجازت نہیں دی کہ اس تاحد نگاہ پھیلے ہوئے صحرا میں اپنے حیات بخش ذخائر میں جودو بخشش کرنے سے پرہیز کریں۔

یہ وہ مقام ہے جہاں ہم پر واضح ہو جاتا ہے کہ "برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے"۔ یہ وہی گروہ تھا جو اس خشک صحرا میں جہاں پانی کا ایک چلو جان کی قیمت رکھتا تھا، امام حسین علیہ السلام کے احسان وکرم سے بہرہ مند اور سیراب ہوا، لیکن کربلا میں اسی گروہ نے اس موجیں مارتے اور بہتے پانی کو خاندان مجد وکرم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بند کر دیا جبکہ سور اور کتے اس سے پانی پی سکتے تھے۔ دیکھو کس طرح ان عظیم ہستیوں نے جو غایت خلقت اور خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ فیض ہیں، شدت پیاس سے اپنی جان دے دی جبکہ انہیں اپنے سامنے دھویں اور غبار کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

لیکن یہ حکمت بالغہ کے سبب قضائے الٰہی پر راضی وتسلیم رہنے کے علاوہ کسی اور راہ کے راہی نہ ہوئے اور کوئی معجزہ یا کرامت ظاہر نہیں کی، جو بھی ان کی حالت سے آگاہ ہوتا وہ کباب ہوئے دل، سوزان جگر اور پیاس کے مارے جلے ہوئے کلیجے کے کسی اور چیز کا مشاہدہ نہیں کرتا تھا۔ شیر خوار پیاس کے مارے ہاتھ پیر مارتا تھا؛ بچہ شدت پیاس سے آہ وبکا کرتا تھا، اور داغ دل کھائی ماؤں بہنوں کے نالہ وشیون دلوں کو چیرے دیتے تھے۔ خیموں کے محافظ معمول کے مطابق پانی تک رسائی کی سبیل نہ رکھتے تھے اور حکمت الٰہی کرامت واعجاز دکھانے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ نیزہ وشمشیر پر کھڑا ہونا خاندان رسالت علیہم السلام کے لیے آسان تھا اس کے مقابل کہ ایسی دست گیری میں

جا پڑیں یہاں تک کہ اپنے خاندان پر بھی لطف و عنایت نہ کر سکیں۔

ہمیں ان مشکلات اور مصیبتوں کی خبر نہیں جو مخدرات حرم نے دیکھی ہیں ۔

اس

خاندان امامت پر پیاس کی سختی و شدت اس قدر زیادہ تھی کہ خدا کے نزدیک اشرف و عزیز ترین مخلوق، سید شباب اہل جنت (کا کلیجہ اس کی شدت سے) جلا جاتا تھا، اور یہ ہے خاندان امیہ کی پستی و رزالت کہ انہوں نے خاندان رسالت علیہ السلام کو پانی سے محروم کر رکھا تھا، اس جلتے صحرا میں ان کے پانی پینے کی راہ میں حائل ہو گئے تھے جبکہ کسی پیاسے کو پانی پلانا اجر عظیم ہے چاہے جسے پانی پلانا ہو وہ پانی یا آبادی سے نزدیک ہی کیوں نہ ہو۔ (یعنی پانی با آسانی حاصل کیا جا سکتا ہو)

ہاں! علی اکبر علیہ السلام کو یہ عظیم اجر و فضیلت نصیب ہوئی۔ امام صادق علیہ السلام کی حدیث میں وارد ہوا ہے:

"امام حسین علیہ السلام نے علی اکبر علیہ السلام کو تین سواروں کے ساتھ اٹھ محرم کو فرات سے پانی لینے کے لیے دشمن کی جانب بھیجا۔ وہ دشمن کے لشکر سے جا بھڑے۔ انہیں گھمسان کی جنگ کا کوئی ڈر نہ تھا، ایک شدید جنگ کے بعد فرات تک پہنچے، مشکیزے بھرے اور خیموں کی جانب لوٹ آئے"۔

اس جنگ میں شبیہ پیغمبر علیہ السلام چاہتے تھے کہ اپنے سے پہلے پانی خیموں میں موجود پیاسوں کو پہنچا دیں۔ وہ اس راہ میں اپنی جان تک لٹانے کو تیار تھے لیکن پانی کے ایک قطرے کو ضائع کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

مجھے نہیں معلوم کہ اہل حرم شبیہ پیغمبر علیہ السلام کی واپسی پر زیادہ خوش تھے یا پانی پہنچنے پر۔ سب کو دوبارہ حیات ملی۔ ان سب کی آنکھیں علی اکبر علیہ السلام کے دیدار سے

روشن تر ہو ئیں یا پانی کو دیکھ کر؟ لیکن ایک عاقل و ہوشیار قاری خوب جانتا ہے کہ دو سو افراد پر مشتمل اس لشکر کے لیے یہ ذرا سا پانی کافی نہیں تھا اور جلد ہی اس جلتے صحرا میں ان کی شدت پیاس اور بے تابی بڑھنے والی تھی۔[1]

---

[1] مترجم عرض کرتا ہے: مؤلف نے اپنے مقتل: ص ۲۸۱ تا ۲۸۳ (طبع عتبہ حسینیہ) میں بھی اس سے ملتی جلتی روایات نقل کی ہیں. خیموں میں پانی کب تک رہا اس حوالے سے روایات متفاوت ہیں. اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شہدائے کربلا کو پیاسا شہید کیا گیا اور اس بارے میں روایات تواتر تک ہیں. البتہ یہ پیاس کتنے روز پر مشتمل تھی اس حوالے سے تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے. مشہور یہی ہے کہ یہ بندش آب اور تشنگی تین روز تک چلی اور یہ عاشور کے دن امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد تک جاری رہی. مذکورہ بالا روایت اور اس مشہور نظر کے درمیان راہ جمع یوں نکالی جا سکتی ہے کہ اگر مانا جائے کہ ان تین دنوں میں سے کسی دن خیموں تک پانی پہنچا بھی تھا تب بھی اس کی تعداد اس قدر نہیں ہو سکتی کہ تمام افراد لشکر اس سے سیر اب ہو سکیں. لہٰذا اقرین قیاس ہے کہ یہ پانی فقط بچوں سے مختص کیا گیا ہو اور امام حسین، علی اکبر، عباس ابن علی، جناب زینب و ام کلثوم علیہم السلام جیسی بزرگ شخصیات نے اس وقت بھی اسے نوش نہ فرمایا ہو. کیونکہ خاندان اہل بیت علیہم السلام کریم ہے اور اپنی ضرورتوں پر دوسروں کو ترجیح دیتا ہے، جس کی بین گواہ سورہ دہر ہے. البتہ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اس حوالے سے مقاتل و تواریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے اور چونکہ اس وقت مترجم کا ارادہ فقط اس کتاب کے ترجمے کا ہے لہٰذا اس موضوع پر جامع تحقیق پیش کرنا کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں.

علی الاکبر علیہ السلام اور شب عاشورا

یہ رات خاندان رسول ﷺ پر گزرنے والی سخت ترین رات تھی کیونکہ بلاو غم و اندوہ نے ان کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا، ڈر اور خوف سے مملو، ان پر تمام راستے بند کر دیے گئے تھے، زندہ بچنے کی کوئی امید نہ تھی، یہاں تک کہ ایک قطرہ آب نہ تھا جو یہ پیاسے بچوں کو پلاتے۔ اس پر کثرت لشکر نے حرم نبوی ﷺ کو مضطرب کر دیا تھا، وہ سب اس جنگ میں اپنوں سے جدا ہونے کو تیار تھے، غربت و تنہائی، یاور و انصار کی قلت اور جگر سوز پیاس جو قوت و طاقت چھینے لیتی تھی (نے انہیں گھیر رکھا تھا) نیز ہر چیز پر غم و اندوہ کی کالی گھٹا چھائی تھی۔

ایک طرف دشمن کے گھوڑوں کے بھاگنے اور ان کی ٹاپوں نیز ہنہنانے کی آوازیں مخدرات حرم کے کانوں میں پڑتی تھیں تو دوسری جانب پیاسے بچوں کے ڈر اور خوف نیز پیاس کی وجہ سے جانسوز نالے اور آہ و بکا ان کے کلیجوں کو کباب کیے دیتے تھے۔ جنگ میں دشمن کا انہیں مار ڈالنا ظاہر تھا۔ وہ ان کی خوشیاں منانے اور تالیاں بجانے کی آوازوں کو سن رہی تھیں اور خود کو اپنے خون کے پیاسے ان درندوں کے سامنے مغلوب پاتی تھیں۔

لیکن دیکھو تو سہی مردان مجد و شرافت و عزت و شجاعت یعنی بنی ہاشم کا کیا حال تھا؟ یا وہ زندگی جاری رکھنا چاہتے تھے اور کل کی جنگ میں کوئی کارنامہ دکھانا چاہتے تھے؟

ہاں! خاندان ابو طالب علیہ السلام سے دودھ پینے والے اور امام حسین علیہ السلام کے چنے ہوئے بے مثال اصحاب اس رات میں بھی جس میں ڈر اور وحشت کے تیر چاروں طرف سے برس رہے تھے ناقابل بیان نشاط و سرور میں غرق تھے، وہ بلند و بالا پہاڑوں

کی طرح استوار اور مصمم و ثابت قدم کھڑے تھے، ان میں بعض مرغان آزاد کی طرح عبادت الٰہی میں مشغول اور بعض کل کی جنگ میں قتال کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ان کے رکوع و سجود و قیام و قعود میں کی جانے والی مناجات اور راز و نیاز کی صدائیں ایسی بلند ہوتی تھیں جیسے شہد کی مکھیوں کے چھتے سے بھنبھناہٹ کی آوازیں آتی ہیں۔

وہ قوت ایمان، شدت یقین اور حق پر ثابت قدمی میں اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ کوئی بھی مانع اور رنج انہیں باطل کے مقابل اس مقدس تحریک سے نہیں روک سکتا تھا، نہ ان کے ارادے میں سستی تھی اور نہ کوئی پشیمانی۔ کوئی بھی چیز ان کی سبط پیغمبر ﷺ سے محبت اور وابستگی میں کمی نہیں لا سکتی تھی۔ یہاں تک کہ امام نے اس شب ان سب سے اپنی بیعت اٹھالی اور انہیں جانے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

رات کی تاریکی ہر چیز پر چھا گئی ہے، سواریاں لو اور میرے خاندان میں سے ایک ایک مرد کا ہاتھ تھام کر اس تاریکی میں پراکندہ ہو جاؤ۔ ان کا مقصود فقط میں ہوں اگر انہیں میں مل گیا تو انہیں دوسروں سے کوئی مطلب نہ ہوگا۔

حضرت ابوالفضل العباس اور جناب علی الاکبر علیہما السلام اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا: آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ خدا ہمیں آپ کے بعد زندہ نہ رکھے!

اس کے بعد بنی ہاشم اور اصحاب میں سے دوسرے بچے، جوان، میان سال اور بوڑھے اٹھے اور اس سے ملتی جلتی باتیں کیں جبکہ حالات وہی تھی جن کی جانب اشارہ کیا جا چکا ہے۔

علی اکبر علیہ السلام اس لشکر کثیر اور طاقت فرسا مشکلات میں جانبازی اور فداکاری کی حد سے گزر گئے۔ وہ خلوص اور کامل نشاط کے ساتھ حق کی نصرت و دفاع اور باطل کو نابود کرنے کی خاطر تیروں کی بارش، تلواروں کی ضربتیں اور دشمن کے نیزے سینے کو

تیار تھے۔ علی اکبر علیہ السلام کی زیارات میں سے ایک میں امام معصوم علیہ السلام کی زبانی یوں نقل ہوا ہے:

أَشْهَدُ أَنَّكَ مِنَ الْفَرِحِينَ ﴿بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ يَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ وَ تِلْكَ مَنْزِلَةُ كُلِّ شَهِيدٍ فَكَيْفَ مَنْزِلَةُ الْحَبِيبِ إِلَى اللَّهِ الْقَرِيبِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ص زَادَكَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فِي كُلِّ لَفْظَةٍ وَ لَحْظَةٍ وَ سُكُونٍ وَ حَرَكَةٍ مَزِيداً يُغْبَطُ وَ يَسْعَدُ أَهْلُ عِلِّيِّينَ بِهِ يَا كَرِيمَ النَّفْسِ يَا كَرِيمَ الْأَبِ يَا كَرِيمَ الْجَدِّ.

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ان میں سے ایک ہیں جنہیں خدا نے اپنے فضل سے عطا کیا ہے اور جو اب تک اپنے سے ملحق نہ ہونے اور رہ جانے والوں کو بشارت دیتے ہیں کہ آگاہ ہو جاؤ ان پر نہ کوئی خوف اور نہ کوئی غم، اور یہ ہر شہید کی منزلت ہے تو پھر حبیب خدا اور رسول کے قریبی کی تو کیا ہی منزلت، خدا ہر لفظ، لحظے، سکون اور حرکت کے بدلے اپنے فضل سے آپ کو اس قدر نوازے کہ تمام ساکنین علیین اس پر رشک کریں۔ اے وہ جو خود کریم ہے، جس کے بابا کریم ہیں اور جس کے جد بھی کریم ہیں۔[1]

---

[1] بحار: ج ۹۸، ص ۲۳۲.

شہادت علی الاکبر علیہ السلام

یہ وہ مقام ہے جہاں ہر بولنے والے کی زبان گنگ اور ہر لکھنے والے کا قلم ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ اسے معلوم نہیں ہوتا کہ ان کی کون سی خصوصیت اور خصال کا تذکرہ کرے۔ ان کی مشہور و معہود شجاعت کا، یا معاشرے، بنی ہاشم بالخصوص خاندان وحی کی پردہ نشینوں پر ان کے فقدان کے اثر کا؛ سب نے اس خونین اور وحشت زدہ زمین میں اس دن جب اپنی ساری امیدیں کھودی تھیں ختمی مرتبت ﷺ کی شبیہ اور آئینے کو ٹوٹا ہوا دیکھا، وہ امام حسین علیہ السلام کے بعد انہیں خیموں کا ستون اور اپنی آرزوؤں کی پناہ گاہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ بڑے بیٹے کی خاندان کے بزرگ کے بعد یہی شان ہے بالخصوص اس وقت جب وہ خاندان کی شہامت، کمالات اور فضائل جیسی خصوصیات کا حامل ہو۔

اہل حرم سے یہ تعجب خیز نہیں کہ جب علی اکبر علیہ السلام نے میدان جنگ میں جانے کا ارادہ کیا تو وہ ان سے لپٹ گئے اور ان کے گرد حلقہ بنا کر کہنے لگے: ہماری تنہائی اور غربت پر رحم کرو۔ (یہ اس لیے کہا) کیونکہ وہ ستارہ رسالت کا ٹوٹنا دیکھ رہے تھے، ان کی صدا کو گم ہوتا سن رہے تھے۔ وہ آئینہ جمال نبوی کو گرہن لگتا اور خلق و سیرت محمدی ﷺ کو جو یتیموں کی امید اور بے پناہوں کی پناہ تھا رخت سفر باندھ کر کوچہ محبوب کا قصد کیے کوچ کرتا دیکھ رہے تھے۔[1]

---

[1] مترجم عرض کرتا ہے: امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے: روز عاشورا میں شدید بیمار تھا، ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی آہستہ آہستہ میرے ہاتھ پیر چوم رہا ہے۔ نظر کی تو دیکھا کہ میرے بھائی علی اکبر علیہ السلام ہیں جو کمال ادب کے ساتھ میرے پیروں پر گرے ہوئے تھے اور اپنے چہرے کو میرے تلووں پر رکھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا: میرے بھائی آپ کو کیا ہوا کہ آپ کی حالت منقلب پاتا ہوں اور آپ کو روتا ہوا دیکھ رہا ہوں؟ علی اکبر علیہ السلام نے کہا: بابا تنہا رہ گئے

ایسی حالت میں کیونکر ان کے آنسو تھمتے اور ان کے نالہ و شیون آسمان تک نہ پہنچتے؟ یہ عظیم ترین اور جان گدزا مصیبت کا مقام ہے جہاں سید الشہداء امام حسین علیہ السلام تمام فضیلتوں کے اس اسوہ کامل کا داغ و غم سینے کو کھڑے ہیں۔ امام دیکھ رہے تھے کہ جو شخص وداع کے لیے کھڑا ہے وہ واپس نہیں لوٹے گا، وہ شخصیت جو مظہر تمام حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ، جمال الہی کا آراستہ آئینہ اور آیات جلال ربوبی میں سے ایک تھی۔ وہ جانتے تھے کہ کچھ دیر بعد ان کا لخت جگر ٹکڑوں میں بٹ جائے گا اور امامت کا دمکتا ستارہ بجھ جائے گا، آسمان دین اس کے بعد تاریک اور وحشت آور ہو جائے گا۔

ہاں! امام دیکھ رہے تھے کہ ان کا عزیز بیٹا میدان نبرد کی جانب قدم بڑھا رہا ہے، کوئی امید نہیں سوائے اس کے قتل کا استقبال کرنے کے، اس وقت امام کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنی آنکھوں سے خون دل روئیں[1]۔

آپ نے با آواز بلند عمر سعد کو مخاطب کر کے فرمایا:

[1] مَا لَكَ قَطَعَ اللهُ رَحِمَكَ كَمَا قَطَعْتَ رَحِمِي وَلَمْ تَحْفَظْ قَرَابَتِي مِنْ رَسُولِ اللهِ ص وَلَا بَارَكَ اللهُ لَكَ فِي أَمْرِكَ وَسَلَّطَ عَلَيْكَ مَنْ يَذْبَحُكَ بَعْدِي عَلَى فِرَاشِكَ.[2] تو کیا کر رہا

ہیں، ان کے اصحاب مارے گئے اور اب میں اپنی جان بابا پر نثار کرنا چاہتا ہوں۔ (تذکرۃ الشہداء: ص ۱۹۸)

علی اکبر علیہ السلام نے آخری لمحات میں اپنی پھوپیوں، بہنوں اور دیگر خواتین کو الوداع کہا، ان خواتین کی تعداد ستر کے قریب تھی، بڑی چھوٹی بی بیوں نے ان کے گرد حلقہ بنالیا، وہ سب سے رخصت ہوئے، اپنے والد سے بھی وداع ہوئے، امام حسین علیہ السلام کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب جاری تھا، امام حسین علیہ السلام نے علی اکبر علیہ السلام کو آغوش میں بھر لیا، آپ پھول کی طرح انہیں سونگھتے جاتے اور روتے جاتے۔ (فرسان الہیجاء، محلاتی)

[1] مثیر الاحزان، ابن نما: ص ۳۵.

ہے؟ خدا تیری نسل کو قطع کرے ویسے ہی جیسے تو نے میری نسل کو قطع کیا ہے، تو نے رسول اللہ ﷺ سے میری قرابت کی پرواہ نہیں کی، خدا تجھے برکت نہ دے اور کسی ایسے کو تجھ پر مسلط کرے جو تیرے بستر پر ہی تیرا سر تن سے جدا کر دے۔[3]

---

[1] الملہوف: ص ۹۳ صیدا
[2] تظلم الزہراء: ص۱۱۶۔
[3] علی اکبرؑ کی والدہ لیلیٰ بنت میمونہ بنت ابو سفیان ہیں الاصابۃ: ج ۴، ص ۱۷۸، کے مطابق: سعد کی ماں حمنہ بنت ابو سفیان ہے بقول الریاض النضرۃ: ج ۲، ص ۲۹۲ کے مطابق: یوں لیلیٰ اور عمر بن سعد کا باپ ایک دوسرے کے خالہ زاد تھے۔
عمر بن سعد کے سال ولادت میں اختلاف ہے۔ ابن عساکر نے اسے رسول اللہ ﷺ کے دور میں جانا ہے اور اس کی وجہ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس کے والد سعد کو عمر بن خطاب کے حکم پر سن ۱۹ ہجری میں الجزیرہ میں ایک لشکر کے ساتھ بھیجا گیا تھا اور اس وقت اس کے ساتھ اس کا بیٹا عمر بھی تھا۔ یحییٰ بن معین نے اس کی ولادت کا سال عمر بن خطاب کی موت کا سال جانا ہے اور اس پر سیف کی حدیث شاہد ہے۔ کہتا ہے: سعد بن ابی وقاص نے یسریٰ بن قیس بن ابی الکثم کندی سے ردہ کے زمانے میں شادی کی اور اس سے اس کے یہاں عمر پیدا ہوا۔ ریاض النضرۃ میں ہے کہ اس کی ماں قیس بن معد یکرب کی بیٹی تھی۔ منتخب کنز العمال فی الہامش مسند احمد: ج ۵، ص ۱۱۳، تذکرۃ الخصواص: ص ۱۴۱، ابن الاثیر: ج ۴، ص ۹۴؛ اور ابن نما کی مثیر الاحزان: ص ۲۵ پر ہے: امیر المومنینؑ عمر بن سعد سے ملے اور فرمایا: اے ابن سعد تیرا کیا حال ہو گا جب تو اس مقام پر کھڑا ہو گا کہ جنت و جہنم میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے اور تو جہنم کو چنے گا۔ کامل الزیارت ابن قولویہ: ص ۷۴ میں ہے: امیر المومنینؑ نے سعد بن ابی وقاص کو خبر دی تھی کہ تیرا بیٹا عمر حسینؑ کو قتل کرے گا۔ ابن الاثیر: ج ۴، ص ۹۴ میں ہے: عبد اللہ بن شریک نے کہا: میں نے اصحاب اردیہ معلمہ اور اصحاب برانس کو درک کیا جب ان کے پاس سے

امام نے اپنی ریش مبارک پکڑ کر آسمان کی جانب بلند کی اور اس بیٹے کی صفات و کمالات کی جانب جس کے لیے عالم میثاق ازلی میں یہ تقدیر لکھی گئی کہ وہ شمشیر و نیزہ و تیر سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گا یوں اشارہ فرمایا:

اللھم اشھد فقد برز إلیھم غلام أشبہ الناس خلقاً و خُلقاً و منطقاً برسولك ص و کنا إذا اشتقنا إلی نبیك نظرنا إلیه.[1]

بار الہا! گواہ رہنا اب ان کی جانب وہ جا رہا ہے جو خَلق و خُلق و گفتار میں سب سے زیادہ تیرے رسول ﷺ کی شبیہ ہے، ہم جب بھی تیرے نبی کی زیارت کے مشتاق ہوتے تو اس کو دیکھتے تھے۔

اللّٰھُمَّ امْنَعْھُمْ بَرَکَاتِ الْأَرْضِ وَ فَرِّقْھُمْ تَفْرِیقاً وَ مَزِّقْھُمْ تَمْزِیقاً وَ اجْعَلْھُمْ طَرَائِقَ قِدَداً وَ لَا تُرْضِ الْوُلَاةَ عَنْھُمْ أَبَداً فَإِنَّھُمْ دَعَوْنَا لِیَنْصُرُونَا ثُمَّ عَدَوْا عَلَیْنَا یُقَاتِلُونَنَا... وتلا ﴿إِنَّ اللہَ اصْطَفَیٰ آدَمَ وَ نُوحاً وَ آلَ إِبْرَاھِیمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَی الْعَالَمِینَ ذُرِّیَّةً بَعْضُھَا مِنْ بَعْضٍ وَ اللہُ سَمِیعٌ عَلِیمٌ﴾.[2]

خدایا اس (شقی قوم سے) زمین کی برکات چھین لے، ان میں تفرقہ ڈال دے، ان کے اتحاد کو تفرقے سے بدل دے، انہیں مختلف راہوں پر ڈال دے، ان کے حاکموں کو کبھی ان سے راضی نہ ہونے دے، انہوں نے ہمیں بلایا تا کہ ہماری مدد کریں

عمر بن سعد گزر رہا تھا اور وہ کہتے تھے: یہ حسین علیہ السلام کا قاتل ہے اور یہ پسر سعد کے حسین علیہ السلام کو قتل کرنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ تاریخ ابی الفداء: ج۱، ص ۱۹۵ میں ہے کہ سن ۶۶ ہجری ذی الحجہ کے مہینے میں مختار نے عمر بن سعد اور اس کے بیٹے حفص کو قتل کیا۔

[1] لہوف: ۱۱۳۔

[2] مقتل الزہراء: ۱۱۶؛ بحار الانوار: ج ۴۵، ص ۴۳

لیکن پھر ہم ہی پر چڑھائی کر کے ہمیں ہی قتل کیا۔ اس کے بعد امام نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "بے شک اللہ نے آدم، نوح آل ابراہیم اور آل عمران علیہ السلام کو عالمین پر فضیلت بخشی، وہ ذریت کہ ان میں ایک دوسرے سے ہے اور خدا سننے والا علم والا ہے"۔ امام کا منظور یہ ہے کہ علی اکبر علیہ السلام بیت نبوت کے فقید شخص، اس ذریت طیبہ میں سے ایک اور اجزائے امامت کے ایک جز ہیں۔ اور ایک ایسے گروہ کی جانب جا رہے ہیں جو کسی بھی صورت ان کی حرمت اور پیمان کی رعایت نہیں کرے گا۔

امام نے یہ ارشاد اس لیے فرمایا تا کہ طول تاریخ میں مختلف ادیان کے پیروکار دشمنان اہل بیت علیہ السلام کی سنگدلی اور شقاوت کی حد کا اندازہ لگا سکیں نیز اس جیسے بیٹے کی احیائے دین کی راہ میں فداکاری اور جانبازی کے درجے کو بھی درک کریں اور جان جائیں کہ جو دین اس درجہ گراں قدر قربانی رکھتا ہے وہ بہترین دین ہے اور اس کے احکامات پر عمل پیرا ہونا نیز اس کی پیروی کرنا لازم ہے۔

جو کوئی بھی اس ندائے آسمانی کو سنے گا وہ جان جائے گا کہ شریعت کے قیام کے لیے اس دنیا کی سب سے زیادہ عزیز اور قیمتی چیز فدا کرنی چاہیے اور اہم ترین ذخائر کو قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ اس فرمان میں امام نے اس عظیم شہید کے فضائل و کمالات کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ جو نجات بشر اور بعد میں آنے والی نسلوں کی ہدایت کے لیے اس راہ الٰہی میں اپنی جان فدا کر رہا ہے وہ ایسا انسان کامل ہے جو شجرہ طیبہ کی شاخ ہے، جو فداکاری و جانبازی اور ہر اچھی صفت میں امتوں کے لیے اسوہ ہے اور اس کی اقتداء کرنا لازم ہے۔

بہر حال علی اکبر علیہ السلام مرکب پر سوار ہو کر میدان کی جانب چلے، یا بہتر ہے کہ کہوں خورشید نبوت افق میدان پر درخشاں ہوا۔ ناگاہ اُس حد سے بڑھ جانے والے ستمگر لشکر نے جمال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلال علی علیہ السلام، عصمت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور شجاعت

حسین علیہ السلام کو اپنے سامنے جلوہ گر دیکھا۔ معلوم نہ ہوتا تھا کہ اس وقت جو لشکر اعداء پر حملے کر رہا ہے وہ علی اکبر علیہ السلام ہے یا اس کے جد امیر المومنین علیہ السلام، یا موت کا طاقتور پنجہ جو ان کی روحوں میں اترتا جاتا ہے یا اس کی تلوار سے نکلنے والی بجلیاں انہیں جلائے دیتی ہیں۔ ایک گروہ اس کی شجاعت سے مدہوش و مرعوب ہوا، ایک گروہ تکبیر پڑھنے لگا، اور ایک نے تبارک اللہ کی صدائیں بلند کیں۔ جس طرف حملہ کرتا دشمن بھاگتا دکھائی دیتا، کسی میں اس کے سامنے آنے کی تاب نہ تھی۔ کبھی رجز پڑھتا اور اپنا تعارف کرواتا، کبھی اپنا ہدف و مقصد بیان کرتا تو کبھی اپنی دلاوری کے بارے میں بات کرتا:

أنا علي بن الحسين بن علي من عصبة جد أبيهم النبي

والله لا يحكم فينا ابن الدعي أطعنكم بالرمح حتى ينثني

أضربكم بالسيف أحمي عن أبي ضرب غلام هاشمي علوي[1]

"میں حسین بن علی کا بیٹا علی علیہ السلام ہوں؛ رب کعبہ کی قسم ہم نبی کے سب سے زیادہ قریبی اور سزاوار ہیں؛ خدا کی قسم ہمارے بارے میں ایک نابکار کا بیٹا فیصلہ نہیں کر سکتا؛ میں اپنی تلوار چلاؤں گا اور اپنے بابا کی حمایت کروں گا؛ یہ ضرب ایک ہاشمی و علوی جوان کی ہے"۔

وہ میدان نبرد میں کسی ایک جگہ نہ ٹکتا تھا۔ کبھی میمنہ پر حملہ کرتا اور اس حد سے بڑھ جانے والی فوج کو میسرہ پر پلٹ دیتا اور کبھی قلب لشکر پر حملہ آور ہوتا۔ کوئی دلاور

---

[1] اشعار کی تعداد میں اختلاف ہے. چوتھے مصرعے کو چھوڑ کر بقیہ ارشاد مفید میں نقل ہوئے ہیں جبکہ چوتھا مصرعہ مناقب ابن شہر آشوب میں نقل ہوا ہے. طبری: ج ۶، ص ۲۵۶ نے فقط پہلے تین مصرعے نقل کیے ہیں.

اس کا سامنا نہ کرتا تھا مگر یہ کہ وہ اسے دو نیم کر ڈالتا، کوئی شجاع اس کے سامنے نہیں آتا تھا مگر یہ کہ مارا جاتا یہاں تک کہ ایک سو بیس پہلوانوں کو تہ تیغ کر ڈالا[1] اسے لشکر کی کثرت سے کوئی خوف نہ تھا اور جب جنگ اپنے اوج پر تھی تو اس سے اس کے اجداد طاہرین کی نشانیاں ظاہر ہو رہی تھیں۔[2]

---

[1] یہ تعداد تظلم الزہراء: ص ۱۱۷ میں ہے؛ جبکہ ابن شہر آشوب نے کہا کہ ۷۰ افراد کو قتل کیا اور روضۃ الواعظین: ص ۱۶۱ میں ہے کہ دس افراد کو قتل کر کے اپنے والد کے پاس لوٹے۔

[2] مترجم عرض کرتا ہے: شجاعت کوئی ایسا ملکہ نہیں جو آسانی سے ہاتھ آجائے۔ ایسے بہت سے لوگ پائے جاتے ہیں جو مشق کر کے اور استاد سے گر سیکھ کر خود کو پہلوان سمجھتے ہیں، لیکن جب میدان کارزار میں اترتے ہیں تو ان سے جوہر شجاعت مترشح نہیں ہوتا۔ شجاعت کا ایک اہم اور اصل عامل وراثت ہے۔ علی اکبرؑ دو بے مثال شجاعتوں کے وارث تھے: ایک شجاعت حیدری اور دوسری شجاعت حسینی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب علی اکبرؑ میدان جنگ میں اترے تو شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے کہ لشکر اعداء کے نالہ و شیون بلند ہونا شروع ہو گئے۔ (منتہی الآمال: ص ۳۳۴) لشکر ان کے سامنے بھاگتا پھرتا تھا، پہلے ہی مبارزے میں کسی میں ان کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں تھی۔

جب علی اکبرؑ اس جنگی ہیبت کے ساتھ میدان میں وارد ہوئے تو لشکر ابن سعد میں ان کا مقابلہ کرنے کی تاب نہ تھی، ہر ایک ادھر ادھر بھاگتا تھا۔ سالار لشکر نے حکیم بن طفیل اور ابن نوفل کو طلب کیا اور دونوں کو ہزار ہزار سوار دے کر کہا: ایک ہی راہ حل ہے: تم سب ایک ساتھ حملہ کرو۔ وہ شیر میدان علی اکبرؑ پر حملہ آور ہوئے؛ لیکن اس شجاع شہزادے نے جو شجاعت حیدری و حسینی کا وارث تھا، اپنے جد پر صلوات بھیجی اور اس لشکر پر حملہ آور ہو گیا، اس جوان نے بہتیروں کو فی النار کیا اور یوں لشکر تتر بتر ہو گیا۔ (تذکرۃ الشہداء: ص ۲۰۵)

عمر بن سعد نے بزعم خود چارہ جوئی کی اور طارق بن کثیر کو علی اکبرؑ کے قتل پر مامور کیا، وہ ایک شجاع اور صاحب جرأت مرد تھا۔ عمر بن سعد نے اس سے کہا: سالہا ہوئے کہ تو امیر کے

وہ جنگ جاری رکھتا لیکن افسوس کہ زخموں کی کثرت، خون کا بڑی مقدار میں بہہ جانا اور شدت پیاس نے اس کی طاقت کم کر دی تھی۔ یہ وہ مقام تھا جہاں اس میں لقاء اللہ کا شوق شدید تر ہو گیا۔ اس نے چاہا کہ اپنے والد کی زندگی سے توشہ حاصل کرے اور ان سے ایک اور بار وداع ہولے۔ میدان سے اپنے بابا کے پاس آیا، شکایت کی، تیر و شمشیر کے واروں اور گرمی و تشنگی نے اس کی قوت و طاقت کم کر دی تھی، عرض کیا:

يَا أَبَتِ الْعَطَشُ قَدْ قَتَلَنِي وَثِقْلُ الْحَدِيدِ قَدْ أَجْهَدَنِي فَهَلْ إِلَى شَرْبَةٍ مِنَ الْمَاءِ سَبِيلٌ. [اتقوى بها على الاعداء][1]

ہاتھوں انعامات وصول کر رہا ہے، آج (انہیں لوٹانے کا وقت آ گیا ہے) جا اور اس جوان کا سر اتار لا، اگر تو یہ کرتا ہے تو میں ابن زیاد سے تیرے لیے موصل کی حکومت کا پروانہ لے کر دینے کا ضامن ہوں۔ اس نے ضمانت کے طور پر اپنی انگوٹھی طارق کو دے دی۔ حیدری شیر کے سامنے آیا اور اس کی طرف نیزہ پھینکا، علی اکبرؑ نے اپنا دفاع کیا اور اپنے نیزے کو اس انداز میں طارق کے سینے پر مارا کہ وہ زمین پر جا گرا۔ اس وقت طارق کا بھائی علی اکبرؑ سے لڑنے میدان میں آیا، شبیہ پیغمبرؑ نے اس کی آنکھوں پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ ملعون بھی خاک پر لوٹنے لگا۔ طارق کے بیٹوں پر اپنے باپ اور چچا کا قتل بڑا شاق گزرا، طارق کے دو بیٹے میدان میں آئے اور وہ بھی علی اکبرؑ کے ہاتھوں ہلاک ہوئے۔ ابن سعد کے لشکر میں خوف کی لہر دوڑ گئی: یہ جوان کون ہے جو کوئی بھی اس کے مقابل ٹک نہیں پا رہا؟ بکر بن غانم نامی شخص میدان میں آیا اس امید کے ساتھ کہ شاید حسینؑ کے اس بپھرے شیر کا مقابلہ کر سکے، لیکن جب وہ سامنے آیا تو علی اکبرؑ نے اس انداز میں تلوار چلائی کہ وہ اور اس کا گھوڑا دونوں ہی دو نیم ہو کر خاک پر لوٹنے لگے۔ (اسرار الشہادۃ: ص ۳۰۷؛ تذکرۃ الشہداء: ص ۲۰۶)

1 الہوف: ص ۱۱۳. قوسین میں موجود عبارت اصل مصدر میں نہیں ہے۔

بابا جان! پیاس مارے ڈالتی ہے، لوہے (کی اس زرہ) کی سنگینی نے میری قوت ختم کر دی ہے کیا کچھ پانی مل سکتا ہے؟ [تا کہ دشمن کے مقابل کچھ قوت حاصل کر سکوں][1]

علی اکبرؑ کا مقصود یہ تھا کہ جس قدر ان کی توان میں تھا اور ان پر واجب تھا انہوں نے قیام کیا اور اس میں سستی سے کام نہیں لیا، اور اب حالت یہ ہے کہ پانی کے ایک گھونٹ کے بغیر دشمن کے مقابل کھڑے رہنے کی قوت نہیں رکھتے۔ ان کا سوال، انکاری ہے اور ان کا مقصود پہلے کی طرح جنگ جاری رکھنے سے معذرت طلبی۔

شاید ان کا اپنے والد سے پانی طلب کرنا امکانی صورت میں معجزے کے طور پر تھا۔ لیکن امام حسینؑ نے اس سے پرہیز کیا تا کہ ان کا بیٹا اس سے بلند تر مقامات کا حامل ہو اور روز قیامت خدائے جلیل سے اپنی اس مظلومانہ شہادت کی وجہ سے زیادہ اجر کا مستحق قرار پائے۔ لہٰذا امام نے اسے بشارت دی کہ وہ جلد ہی رحمت خداوندی کے بے کراں سمندر میں داخل ہونے کو ہے اور اس کے جد مکرم ﷺ اسے ایسے جام آب سے سیراب کریں گے کہ پھر کبھی تشنہ نہ ہو گا، اس وقت امام نے اپنی انگوٹھی انہیں دی تا کہ وہ اسے اپنے منہ میں رکھ لیں۔[2]

علی اکبرؑ اس حال میں میدان کی طرف لوٹے کہ اس بشارت صادقہ نے سرتاپا انہیں نشاط و سرور سے لبریز کر دیا تھا، اس کے بعد وہ نہیں جانتے تھے کہ دشمن کے سر کا نشانہ لینا ہے یا اس کے سینے کا یا پھر وہ اپنی آرزو کی انتہاء کے نزدیک ہوتے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے ہاتھ سے قتل ہونے والوں کی تعداد دو سو تک جا پہنچی۔[3]

---

[1] ابن نما، مثیر الاحزان: ص ۳۵۔

[2] مقتل العوالم: ص ۹۵۔

[3] تظلم الزہراء: ص ۱۱۷۔

ان کا انتظار ختم ہوا اور شہادت ان کے سر مطہر پر پرواز کرتے (ہوئے ان کا طواف) کرنے لگی۔ مرۃ بن منقذ عبدی کی تلوار نے ان کے سر کو نشانہ بنایا[1] اس کے بعد ان کی پشت میں نیزہ مارا[2] بے تاب اور بے جان ہو کر اپنے گھوڑے کی گردن میں ہاتھ ڈالے، گھوڑا انہیں دشمن کے لشکر میں لے گیا، دشمنان اہل بیت علیہم السلام نے پیکر نبوت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔[3]

آخری سانسیں جاری ہیں، اپنے والد کو شمشیر و نیزے کے زخموں سے چور ہو کر سلام کیا، انہیں الوداع کیا اور اپنے امام کو یوں صدا دی:

يا أبتاه هذا جدّي رسول الله صلى الله عليه و آله [يقرء عليك السلام][4] و قد سقاني بكأسه الأوفى شربة لا أظمأ بعدها أبدا و هو يقول: العجل العجل فإنّ لك كأسا مذخورة.[5]

اے بابا جان! یہ میرے جد رسول اللہ ﷺ ہیں جو آپ کو سلام دے رہے ہیں، انہوں نے شربت سے بھرا ہوا جام مجھے پلا دیا ہے اور اب اس کے بعد میں کبھی تشنہ نہیں ہوں گا نیز فرماتے ہیں: (حسین) جلدی کرو کہ ان کے پاس آپ کے لیے بھی

---

[1] یہ ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۰ کا بیان ہے؛ اور ایسے ہی الاخبار الطوال: ص ۲۵۴؛ ارشاد مفید، ابن نما اور لہوف میں بھی یہی نقل ہوا ہے؛ ابن جریر نے تاریخ: ج ۶، ص ۲۵۶ میں منقذ بن نعمان عبدی لیثی لکھا ہے؛ لیکن مقتل عوالم: ص ۹۵ میں منقذ بن مرۃ ہے۔

[2] ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۲۲۔

[3] مقتل العوالم: ص ۹۵۔

[4] قوسین میں موجود عبارت عوالم میں موجود نہیں بلکہ ریاض المصائب: ص ۳۲۱ سے نقل کی گئی ہے۔

[5] مقتل العوالم: ص ۹۵۔

شربت کا جام ہے۔[1]

---

[1] مترجم عرض کرتا ہے: علی اکبر علیہ السلام کی شجاعت کے سامنے کوئی ٹک نہیں پا رہا تھا اور جو بھی سامنے آتا تھا یا مارا جاتا تھا یا فرار کی راہ اختیار کر لیتا تھا۔ اتنے میں ابن سعد ملعون چلایا: اس پر چاروں طرف سے حملہ کیوں نہیں کرتے؟ اس کے کہتے ہی چاروں طرف سے علی اکبر علیہ السلام کو گھیر لیا گیا، کوئی تیر مارتا تو کوئی تلوار، کوئی نیزہ تو کوئی پتھر۔ اتنے میں منقذ معلون عقب سے آیا اور علی اکبر علیہ السلام کے فرق اقدس پر تلوار ماری۔ جوان سے زین پر سنبھلا نہ گیا، بہت چاہا کہ اسی شگافتہ سر کے ساتھ زین پر جمارہے لیکن نہ بیٹھا گیا۔ دوسری جانب علی اکبر علیہ السلام کی غیرت یہ اجازت نہیں دیتی تھی کہ خود کو گھوڑے سے نیچے گرنے دیں، مظلوم کیا کرے؟ ناچار اپنے ہاتھوں کو گھوڑے کی گردن میں ڈال دیا، وہ گھوڑا علی اکبر علیہ السلام کو وسط لشکر میں لے گیا۔ اس وقت تین آوازیں بلند ہوئیں:

پہلی آواز: جب علی اکبر علیہ السلام زمین پر گرے، آواز دی: ((یا ابتاہ! علیک منی السلام))۔ کہتے ہیں جب بھی ((علیک)) کو ((سلام)) پر مقدم کیا جائے تو یہ سلام وداع اور خدا حافظ کہنا ہوتا ہے؛ یعنی اے بابا! میں دوسرے عالم کی جانب جا رہا ہوں، اگر آپ میری لاش پر آنا چاہتے بھی ہیں تو اب اس کا وقت باقی نہیں رہا۔ ایک دوسری عرض بھی تھی، علی اکبر علیہ السلام نے عرض کیا: اے بابا! میں نہیں کہتا کہ میری لاش پر آیئے لیکن میرے جد کے ہاتھ میں ایک کوزہ ہے اور وہ فرما رہے ہیں: ((یا بنی! یا حسین! العجل العجل)) یعنی اے میرے بیٹے حسین، میرے پاس آنے میں جلدی کرو!

دوسری آواز: جب امام حسین علیہ السلام نے علی اکبر علیہ السلام کی آواز سنی بے اختیار فرمایا: ((یا بنی! قتلوک)) اے میرے بیٹے انہوں نے تجھے مار ڈالا، کیونکہ حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ علی اکبر علیہ السلام کی مراد و مقصود کیا ہے۔ جناب سیدہ سکینہ علیہا السلام سے نقل ہوا ہے: میں نے اس حال میں اپنے بابا کو دیکھا کہ ان کی آنکھیں خیمے کے اطراف میں گردش کر رہی ہیں، گویا نزدیک تھا کہ ان کی روح جسم سے نکل جائے۔

یہ صدا سنتے ہی امام حسین علیہ السلام نے تیزی کے ساتھ خود کو اپنے لخت جگر تک پہنچایا کہ شاید اس کا دیدار کر سکیں اور اس سے کچھ سن سکیں لیکن ایسا ہو نہ سکا اور یہ آرزو شرمندہ تعبیر نہ ہوئی، امام نے پیکر امید رسالت کو خاک پر خون میں غلطاں دیکھا۔ باپ کی محبت نے جوش مارا، خود کو علی اکبر علیہ السلام کے کٹے ہوئے بدن پر گرا دیا اور اپنا چہرہ علی اکبر علیہ السلام کے چہرے پر رکھ دیا۔[1] حسین علیہ السلام نے جوان سے اپنے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی خوشبو اور عطر عصمت کو سونگھا، وداع کا وقت گزر چکا تھا اور رمق جان باقی نہ تھی۔ امام نے فرمایا:

عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَا. مَا أَجْرَأَهُمْ عَلَى الرَّحْمٰنِ وَعَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى انْتِهَاكِ حُرْمَةِ الرَّسُولِ.[2] علی اکبر علیہ السلام تیرے بعد دنیا پر خاک، یہ لوگ کس قدر جرأت سے خدائے رحمن اور حرمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی ہتک کر رہے ہیں۔[3]

تیسری آواز: جناب زینب علیہا السلام کی تھی جو پکارتی جاتی تھیں: ((یا حبیب قلباه! وا ثمرة فؤاداه!)) اے میرے دل کا چین اور میرے میوہ دل! (المواعظ، شیخ جعفر شوشتری: ص ۱۳۰)

[1] ریاض المصائب: ص ۳۲۱؛ لہوف: ۱۱۴۔

[2] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۶۔

[3] مترجم عرض کرتا ہے: صاحب معالی السبطین نے ایک خواب نقل کیا ہے جسے یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے: ایک عالم نے خواب میں امام حسین علیہ السلام کو دیکھا، دیکھا کہ امام کے جسم پر جا بجا بہت سے زخم ہیں۔ انہوں نے امام سے پوچھا: یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ! یہ زخم کیسے ہیں؟ امام نے فرمایا: یہ بنو امیہ کی تلواروں کے زخم ہیں۔ وہ عالم بیدار ہوئے، ان کا دل کباب ہو گیا، سارا دن روتے رہے، دوسرے دن دوبارہ امام حسین علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، مشاہدہ کیا کہ امام کے تمام زخم مندمل ہو گئے ہیں، لیکن دو بڑے زخم اب بھی باقی تھے۔ انہوں نے امام سے ان دو کے صحیح نہ ہونے کی وجہ دریافت کی۔ امام نے فرمایا: میرے محبین اور زائرین کے اشک

حسین علیہ السلام کبھی شبیہ پیغمبر ﷺ کو کھو دینے پر متاثر ہوتے دیکھائے دیتے اور کبھی ظاہری طور پر جب کچھ نہیں کر پاتے تو (غم و) غصہ قطرہ قطرہ ہو کر نیچے گرتا اور امام کا چہرہ اشکوں سے تر بہ تر ہو جاتا۔ امام کے کباب دل میں جو غم واندوہ تھا اسے آپ نے یوں زبان پر جاری کیا:

یا بنی یعز علی محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و علی علی بن أبي طالب و علي أن تدعوهم فلا يجيبوك، و تستغيث بهم فلا يغيثوك. محمد، علی اور مجھ پر بڑا سخت ہے کہ تو انہیں پکارے اور وہ جواب نہ دیں، انہیں اپنی فریاد رسی کو پکارے اور وہ تیری فریاد کو نہ پہنچیں۔[1]

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں میں اس جوان کا خون مطہر بھرا اور آسمان کی جانب اچھال دیا، اس میں سے ایک قطرہ بھی زمین پر واپس نہ گرا۔[2]

اس حال میں حسین علیہ السلام نہ تو اپنے بیٹے سے دل موڑ سکتے تھے اور نہ جنگ کی قیادت کو چھوڑ سکتے تھے۔ حسین علیہ السلام اس جانسوز مصیبت اور سیسہ پلائی دیواروں کو گرا دینی والی اس جنگ کے درمیان کشمکش میں مبتلا ہیں، ایک طرف جاذبہ ہے تو دوسری

میرے زخموں کا مرحم ہوئے لیکن یہ دو زخم نہیں بھرتے، یہ دونوں تیر یا تلوار کے زخم نہیں بلکہ یہ دل و قلب کے زخم ہیں: ان میں سے ایک اس وقت لگا جب میرے بیٹے علی اکبر علیہ السلام نے گھوڑے سے گرتے ہوئے آواز دی: ((یا ابتاہ! علیک منی السلام)) اور دوسرا اس وقت لگا جب میرا بھائی قمر بنی ہاشم علیہ السلام گھوڑے سے زمین پر گرا۔ ان دو مصیبتوں پر میرا دل ہمیشہ شکستہ و گریاں رہتا ہے۔ (معالی السبطین: ج ۱، ص ۴۱۵)

1 مقتل العوالم: ص ۹۵. [مؤلف نے عبارت میں جد، چچا، اور بابا لکھا تھا، لیکن ہم نے وہی ثبت کیا ہے جو العوالم میں درج ہے. مترجم]

2 کامل الزیارات: ص ۲۲۲.

جانب واقعہ، امامت و رہبری کا وجوب، امام نے اپنی جان قلب کو (خاک پر) چھوڑا اور اٹھے لیکن اب حسین علیہ السلام میں توان جہاد نہ تھی، ان کا نفس قدسی ان کے محبوب بیٹے سے ملحق ہونے کا مشتاق تھا، حسین علیہ السلام کی آرزوئیں برباد اور ان کی آنکھوں میں فضا تاریک ہو چکی تھی۔

امام کو خود میں اپنے لخت جگر اور روح کے سکون کا کٹا پٹا لاشہ اٹھانے کی طاقت دکھائی نہ دی، بنی ہاشم کے جوانوں کو بلایا[1] تا کہ وہ یہ لاشہ خیمہ شہداء میں پہنچا دیں۔ جوانوں نے لاشہ اٹھا لیا، خون میں لت پت لاشہ جسے انوار عز و شرف نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، تیر و نیزے و شمشیر کے واروں سے پارہ پارہ لاشہ۔ خانہ وحی کی پردہ نشین خواتین نے کباب کلیجوں، پریشان گیسوئیوں اور فرشتوں کے کانوں تک پہنچنے والے نالہ و شیون کے ساتھ علی اکبر علیہ السلام کے لاشے کا نظارہ کیا۔ ان میں سب سے آگے آگے عقیلہ بنی ہاشم زینب ام المصائب علیہا السلام تھیں، انہوں نے جنازے کا استقبال کیا اور خود کو اس پر گرا دیا۔[2]

---

[1] طبری: ج ٦، ص ٢٥٦.

[2] اعلام الوریٰ: ص ١٣٥. اسی کتاب میں ہے: جناب زینب علیہا السلام "اے میرے بھتیجے" کی صدائیں دیتی ہوئی خیمے سے باہر آ گئیں. امام حسین علیہ السلام نے انہیں اس خیمے میں واپس بھیج دیا جس کے سامنے وہ جنگ لڑ رہے تھے... قدرتی امر ہے کہ خواتین نے شبیہ پیغمبر علیہ السلام کے ماتم اور غم میں شرکت کی. کیونکہ وہ جوان پاسدار حرم اور انہیں سکون بخشنے والا تھا. جب علی اکبر علیہ السلام کے چلے جانے پر خاندان وحی کے بزرگ امام حسین علیہ السلام کا یہ حال تھا تو باقیوں کا کیا حال ہوگا یہ بات بیان کرنے کی ضرورت نہیں.

طاہر خون

ابن قولویہ جلیل القدر اور موثق رواۃ ومشائخ حدیث[1] سے کامل الزیارات: ص ۲۲۲ پر روایت کرتے ہیں کہ ابو حمزہ ثمالی رحمۃ اللہ علیہ نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

جب بھی تو امام حسین علیہ السلام کی قبر پر جانے کا ارادہ کرے تو بدھ، جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھ... یہاں تک کہ فرمایا: اس کے بعد علی بن الحسین علیہما السلام کی قبر پر جا، جو امام حسین علیہ السلام کی پائینتی کی جانب ہے اور کہہ:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُولِ اللهِ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ وَ ابْنَ خَلِيفَةِ رَسُولِ اللهِ وَ ابْنَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ مُضَاعَفَةً كُلَّمَا طَلَعَتْ شَمْسٌ أَوْ غَرَبَتْ السَّلَامُ عَلَيْكَ وَ عَلَى رُوحِكَ وَ بَدَنِكَ بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي مِنْ مَذْبُوحٍ وَ مَقْتُولٍ مِنْ غَيْرِ جُرْمٍ بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي دَمُكَ الْمُرْتَقَى بِهِ إِلَى حَبِيبِ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي مِنْ مُقَدَّمٍ بَيْنَ يَدَيْ أَبِيكَ يَحْتَسِبُكَ وَ يَبْكِي عَلَيْكَ مُحْتَرِقاً عَلَيْكَ قَلْبُهُ يَرْفَعُ دَمَكَ بِكَفِّهِ إِلَى أَعْنَانِ السَّمَاءِ لَا تَرْجِعُ مِنْهُ قَطْرَةٌ وَ لَا تَسْكُنُ عَلَيْكَ مِنْ أَبِيكَ زَفْرَةٌ.

سلام ہو آپ پر اے فرزند رسول اور اللہ کی رحمت و برکات بھی۔ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے جانشین اور ان کی بیٹی کے بیٹے کے بیٹے۔ اس وقت تک جب تک سورج طلوع و غروب ہوتا ہے۔ سلام ہو آپ پر اور آپ کی روح پر اور آپ کے بدن پر،

---

[1] ہمارے استاد مجاہد مرزا عبد الحسین امینی صاحب کتاب الغدیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کی تحقیق انجام دی ہے اور حاشیے میں اس کے رجال سند کے تراجم رقم کیے ہیں نیز اس کی طباعت و نشر کی کوشش کی ہے، خدا انہیں ان خدمات جلیلہ کی جزائے خیر دے۔

میرے ماں باپ آپ پر قربان، بنا گناہ کے آپ کا سر تن سے جدا کیا گیا۔ میرے والد آپ پر فدا کہ آپ کا خون حبیب خدا کے پاس عالم بالا میں لے جایا گیا۔ میرے ماں باپ قربان کہ آپ نے اپنے والد کے سامنے فداکاری دکھائی یہاں تک کہ خدا کے اجر وپاداش تک پہنچے اور جب آپ کے داغ مفارقت سے ان کا دل جل اٹھا تو انہوں نے آپ پر گریہ کیا، اپنے ہاتھوں سے آپ کا خون آسمان کی جانب اچھال دیا جس میں سے ایک قطرہ بھی واپس زمین پر نہ گرا، آپ کا داغ ایسا تھا کہ آپ کے والد کی فریادیں منقطع نہ ہوتی تھیں۔

" آپ کا خون حبیب خدا کے پاس عالم بالا میں لے جایا گیا" اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی ذمہ داری تھی کہ یہ مطہر وپاک خون رسول اللہ ﷺ کے پاس عالم بالا میں پہنچائیں اور یہ کام امام حکیم ابو عبد اللہ الحسین علیہ السلام کے کام کی شبیہ ہے کہ جنہوں نے خون علی اکبر علیہ السلام ملاءِ اعلیٰ کی جانب اچھالا تھا، یہ ایک ایسی حکمت بالغہ اور مصلحت والا کی بنا پر ہے جو ہم پر پوشیدہ ہے اور ہم حقیقی وواقعی مصلحتوں سے واقف نہیں۔ ایسا ہی امام حسین علیہ السلام نے اپنے شیر خوار کے خون کے ساتھ بھی انجام دیا تھا۔

امام باقر علیہ السلام سے مروی حدیث اس امر کی خبر دیتی ہے ایسے ہی ناحیہ مقدس امام عصر علیہ السلام سے پہنچنے والی زیارت بھی اس مطلب پر گواہ ہے:

السَّلَامُ عَلَىٰ عَبْدِ اللهِ الرَّضِيعِ الْمَرْمِيِّ الصَّرِيعِ الْمُتَشَحِّطِ دَمًا الْمُصَعَّدِ دَمُهُ فِي السَّمَاءِ لَعَنَ اللهُ رَامِيَهُ حَرْمَلَةَ بْنَ كَاهِلٍ الْأَسَدِيَّ. سلام ہو عبد اللہ شیر خوار پر، جسے دشمن کے تیر نے شہید کر دیا، سلام اس پر جس کا خون آسمان کی جانب گیا، خدا اس کے قاتل حرملہ بن کاہل پر لعنت کرے۔

اور ایسا ہی امام حسین علیہ السلام نے اپنے پاک خون کے ساتھ بھی کیا، جب امام کو سہ

شعبہ تیر آکر لگا تو آپ نے اپنے ہاتھ اس خون سے بھرے اور اسے آسمان کی جانب پھینکا، اس میں سے بھی ایک قطرہ زمین پر واپس نہ آیا۔[1]

شاید امام کے اس کام میں موجود حکمتوں میں سے ایک یہ ہو کہ یہ مقدس خون آل محمد ﷺ کے نفیس ترین ذخائر میں سے تھا اور ملاءاعلیٰ نیز قیامت میں ان کے دشمنوں کے مقابل ان کی مضبوط ترین دلیل ہوگا نیز ان کے شیعوں کی شفاعت و نجات کا سبب بنے گا۔ کیونکہ شہید راہ خدا کا خون ایک مخصوص امتیاز کا حامل ہے۔

روایت میں ہے کہ شہدائے احد روز محشر اس حال میں آئیں گے کہ ان کے زخموں سے لہو جاری ہوگا اور اس میں سے مشک کی خوشبو آرہی ہوگی۔[2] یہ شہدائے احد ہی سے خاص نہیں بلکہ ہر شہید اپنے خون سے حجت قائم کرتا ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے حکم دیا تھا کہ جو افراد جنگ جمل میں شہید ہوئے انہیں ان کے لباس اور خون کے ساتھ دفن کیا جائے تاکہ وہ اسی حالت میں حجت قائم کریں۔[3]

حجر بن عدی نے بھی اپنی وصیت میں کہا: مجھے میرے (خون آلودہ) لباس کے ساتھ دفن کیا جائے تاکہ روز قیامت اسی کے ساتھ (بارگاہ خدا میں) مقدمہ پیش کروں۔

ابن عباس کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ ان کی زلفیں پریشان اور غبار آلود ہیں، ان کے ہاتھ میں خون سے بھری ایک شیشی ہے۔ میں نے پوچھا: یہ کیسا خون ہے؟ فرمایا: هَذَا دَمُ الْحُسَيْنِ ع لَمْ أَزَلْ أَلْتَقِطُهُ مُنْذُ الْيَوْمِ. یہ حسین

1۔ کشف الغمہ: ص ۱۸۹؛ الاتحاف: ص ۱۴۔

2۔ سیرت حلبیہ: ج ۲، ص ۶۷؛ شرح الکبیر محمد بن احمد سرخسی: ج ۱، ص ۱۵۵۔

3۔ الجمل: شیخ مفید: ص ۱۹۵۔

علیہ السلام کا خون ہے، میں نے آج ہی اسے اٹھایا ہے۔[1] ایک دوسری روایت میں آیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں دو شیشیاں تھیں اور آپ نے ابن عباس کے جواب میں فرمایا: هَذَا دَمُ الْحُسَيْنِ ع وَ أَصْحَابِهِ الْتَقَطْتُهُ هذا الْيَوْمَ؛ یہ حسین علیہ السلام اور اس کے اصحاب کا خون ہے جو میں نے آج ہی حاصل کیا ہے۔[2]

شیخ صدوق امالی میں امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: خدا نے ایک فرشتے کو سبز رنگ کی شیشی کے ساتھ مامور کیا تاکہ وہ اس میں خون حسین علیہ السلام جمع کرے۔

اب (سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ) کیا وجہ ہوئی جو امام حسین نے اپنے دو شہید بیٹوں کو ہی اس امتیاز سے خاص فرمایا، تو جواب یہ ہے کہ کربلا کے بقیہ شہداء ایسی خصوصیت کے حامل نہیں تھے۔

ایک شیر خوار بچے کو قتل کرنا کسی بھی شریعت اور قانون میں روا نہیں اور کوئی بھی جوانمرد انسان یہ کام نہیں کرتا، چاہے بچے کا خاندان فاسد افراد میں سے کیوں نہ ہو۔ کیونکہ بچے کا کوئی گناہ نہیں ہوتا اور وہ کسی پر ستم بھی نہیں کر سکتا یا کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی کہے کہ شیر خوار کا قاتل چاہتا ہے کہ ان کی نسل کو مٹا دے، اور بنو امیہ کا اس بچے کو قتل کرنے سے اصل ہدف یہی تھا۔ اس جیسا اور کوئی جرم نہیں ہے۔

علی اکبر علیہ السلام خاندان رسالت کے باقی ماندہ افراد اور خَلق و خُلق و گفتار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ تھے۔ وہ خاندان رسالت کی آرزو تھے۔ دین و دنیا کے بڑے امور کو ثمر آور بنانے کے سلسلے میں امت مسلمہ کی نظریں ان کی جانب لگی ہوئی

---

1 مقتل العوالم: ص ۱۷۱.

2 کشف الغمہ: ص ۱۸۹؛ الاتحاف بحب الاشراف: ص ۳۱.

تھیں۔ در حقیقت وہ جمال نبوی کے آئینہ دار تھے جس کے چہرے اور عمل سے آنحضرت ﷺ کے انوار علوم جھلکتے تھے۔ علی اکبر علیہ السلام سپاہ اسلام کے سرداروں اور توحید کے علمبرداروں میں سے تھے۔ وہ حدود وحدود اسلام کی حفاظت اور انحرافات کو ختم کرنے اور ٹیڑھے پن کو درست کرنے کے سلسلے میں مسلمانوں کی امید تھے۔ ان کو قتل کرنے سے دشمن نے خاندان رسالت اور امت کی تمام امیدوں اور آرزوؤں پر پانی پھیر دیا اور ان کے دل کے نور کو بجھا دیا۔ اس جیسا اور کوئی گناہ نہیں۔

ہاں! ان دونوں خونوں کی عظیم شان و منزلت ہے، ان کے ذریعے سے اتمام حجت ہوا ہے نیز ان کے ذریعے سے شفاعت بھی متحقق ہوگی۔

ہاں اس دشت بلا میں ان ظالموں کے ہاتھوں بہایا گیا کوئی بھی خون شان و منزلت میں خون ابی الفضل العباس علیہ السلام جیسا نہیں تھا جن کے بازو قلم کیے گئے اور جن کے سر پر آہنی گرز مارا گیا۔ خدائے متعال نے انہیں (اس کے بدلے) دو پر عطا کیے جس کے ذریعے وہ فرشتوں کے ساتھ باغ ہائے قدس میں پرواز کرتے ہیں۔ ملکوت میں بسنے والے ان کی مصیبت پر خون روتے ہیں اور ان کے قاتلوں اور ان پر ظلم کرنے والوں پر لعنت بھیجتے ہیں نیز ان کے شیعوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

روایت میں ہے کہ روز قیامت جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا[1] جناب عباس علیہ السلام کے ہاتھوں کے ساتھ بارگاہ خدا میں اپنا مقدمہ پیش فرمائیں گی اور دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے شکستہ دندان مبارک اور امام حسین علیہ السلام کے اس کرتے کے ساتھ تشریف لائیں گی جو تیروں اور تلواروں کے واروں سے تار تار ہوگا۔[2]

البتہ امام حسین علیہ السلام کے خون کی حفاظت کے حوالے سے یہ جاننا ضروری ہے

[1] جواہر الایقان: ص ۱۹۴۔

[2] اسرار الشہادۃ: دربندی، ص ۲۳۳۔

کہ رسول اللہ ﷺ اور معصومین علیہم السلام کی حقیقت نورانیہ لوگوں کے ہادی، اخلاقی، دینی اور اجتماعی امور کی طہارت کی علت ہے۔ کیونکہ یہ مبدائے فیض کے لیے واسطہ فیض ہیں اور کوئی بھی موجود بقاء کی پیدائش اور مبدا اعلیٰ سے فیض حاصل کرنے میں ان سے بے نیاز نہیں۔ یہ حیات اور دنیا و آخرت میں افاضہ (فیض) اور نجات کا وسیلہ ہیں۔ اس بات کی جانب اہل بیت علیہم السلام کی کثیر اور متواتر احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے انہی میں سے ایک زیارت جامعہ کبیرہ ہے، ارشاد ہوتا ہے:

بِكُمْ فَتَحَ اللهُ وَبِكُمْ يَخْتِمُ وَبِكُمْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ * وَبِكُمْ يُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَبِكُمْ يُنَفِّسُ الْهَمَّ وَيَكْشِفُ الضُّرَّ ؛ خدا نے آپ کے ذریعے سے آغاز کیا اور آپ ہی پر اختتام، آپ ہی کے وسیلے سے بارش برستی ہے، اور آسمان قائم ہے تاکہ وہ زمین پر نہ گرے مگر خدا کے اذن سے، آپ ہی کے وسیلے سے مشکلات دور اور مصیبتیں حل ہوتی ہیں۔

خدا نے ائمہ معصومین علیہم السلام کو رسول اللہ ﷺ کی ذریت میں سے قرار دیا۔ ائمہ علیہم السلام خدا کی جانب سے اس کے بندوں پر اس کی رحمت ہیں اور وہ اپنے لطف و فضل عام کے ذریعے سے ہر شیعہ کو ان کا تقرب پانے میں کامیاب کرتا ہے کہ یہ تقرب خود خدا کا تقرب حاصل کرنا ہے۔ بعض ان کی ولایت سے راہ نجات پاتے ہیں، دوسرا حجت قائم کرنے کا طریقہ سیکھاتا ہے، ایک ان کے فضائل کی ترویج کرتا ہے تو دوسرا خطابت و تقریر کے ذریعے سے لوگوں کو ان کی جانب دعوت دیتا ہے، بعض ان کے شعائر کی تعظیم اور ان کے لیے مجالس برپا کر کے ان کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کے بارے میں یہ تمام موارد سب سے زیادہ اور متنوع انداز میں پائے جاتے ہیں، خدا نے امام حسین علیہ السلام کو اس سے مختص فرمایا ہے اور اس نے آپ کو اپنے فضل کثیر سے نوازا ہے۔

امامت امام حسین علیہ السلام کی نسل میں ہے۔ ان کی قبر کی خاک میں شفا ہے، ان کے حرم میں دعا مستجاب ہے، ان کے زائر کی عمر میں ابتداء سے انتہائے زیارت کے ایام شمار نہیں کیے جاتے۔ آپ کی زیارت کے بدلے ایک نیکی کا اجر ہزار ہزار برابر ملتا ہے لیکن گناہ (اگر کیا جائے) تو فقط ایک ہی محسوب ہوتا ہے۔ اس کے بعد امام نے فرمایا: ایک کہاں اور ہزار ہزار کہاں!

امام حسین علیہ السلام کی زیارت کی راہ یا زیارت کے دوران میں خرچ ہونے والے ایک درہم کا اجر قیامت میں خرچ کرنے والے کو دس ہزار درہم کے برابر ملے گا نیز دنیا میں بھی کئی گنا زیادہ ہو کر اس کو لوٹا دیا جائے گا۔

خداوند عالم کے یہاں کچھ فرشتے ہیں جو اپنے ہاتھوں سے امام حسین علیہ السلام کے زائرین کے چہرے چھوتے ہیں اور اس کی پیشانی پر ایک نورانی نشان لگا دیتے ہیں جو قیامت میں چمکے گا اور ان کی نجات کا سبب بنے گا۔

روز عاشور امام حسین علیہ السلام کی نصرت کے لیے ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے اور آپ کو شہید پایا تو خدا کے حکم سے آپ کی قبر کے پاس ہی رہ گئے۔ ان فرشتوں کی نماز عام انسانوں کی ہزار نمازوں کے برابر ہے اور ان کا ثواب امام حسین علیہ السلام کے زائرین کے لیے ہے۔ خدا ان کے زائر پر ہر صبح و شام بہشتی طعام نازل کرتا ہے۔ اگر زائر سفر زیارت میں اللہ کو پیارا ہو جائے تو فرشتگان رحمت اس کے غسل و کفن و تشییع جنازے میں شرکت کرتے ہیں۔ اس کی قبر میں پھولوں کا بستر لگاتے ہیں اور اس کے لیے استغفار کرتے ہیں اور زمین قبر کو چاروں طرف سے کشادہ کر دیتے ہیں۔ خوشبو دار ہوا اس کی قبر میں داخل ہوتی ہے اور وہ فشار قبر اور سوال منکر و نکیر سے امان میں رہتا ہے۔

قبر سے باہر آتے وقت مشرق و مغرب کو منور کر دینے والا نور اسے اپنے احاطے

8

میں لے کر نورانی کر دے گا اور ایک فرشتہ ندا دے گا: یہ حسین علیہ السلام کے مشتاق زائرین میں سے ہے۔

جن افراد نے امام کی زیارت نہیں کی ہو گی غم واندوہ کی وجہ سے ان کے سانس بند ہو جائیں گے۔[1]

ائمہ معصومین علیہم السلام کے درمیان امام حسین علیہ السلام کو حاصل ایک اور امتیاز ان کی شہادت کے بدلے انہیں ملنے والا اجر ہے۔ بنابریں، اس میں جائے تعجب نہیں کہ خدا امام حسین علیہ السلام کی عظمت کی وجہ سے ہر اس شخص کو جو کسی بھی وسیلے سے ان سے متوسل ہوا ایک نشانی بنا دے تا کہ وہ بقیہ افراد سے ممتاز ہو جائے اور خدا کے مباہات وافتخار کا باعث بنے۔ یہ اس حجت حق کی نمایاں فضیلت ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان کا خون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے پاس محفوظ کیا گیا تا کہ روز قیامت ان کے دوستوں کے لیے
وسیلہ نجات قرار پائے۔

جو افراد شب عاشورا کی صبح تک امام حسین علیہ السلام کی قبر کے پاس رہیں اور ان سے راز و نیاز کریں تو یہ شب داری ان کے اور آتش کے درمیان حجاب بن جائے گی اور یہ کام خدا کے لیے آسان ہے۔

شیخ مفید اعلی اللہ مقامہ اہل بیت علیہم السلام سے نقل کرتے ہیں: جو شخص صبح عاشور تک امام حسین علیہ السلام (کی قبر) کے پاس رہے تو روز قیامت خدا اسے امام کے خون میں غلطاں محشور کرے گا اور اس کا شمار شہدائے کربلا میں ہو گا۔

---

[1] امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے مذکورہ وغیر مذکورہ اثرات علامہ مجلسی نے بحار کی جلد مزار میں نقل کیے ہیں۔

یہ عظمت مقام وجلال ورفعت بہت بلند ہے کہ کوئی امام حسین علیہ السلام کے خون میں غلطان ہو کر محشور ہو، یہ وہ مقام ہے کہ مقرب فرشتے اس کے اطراف میں ہونگے اور تمام مومنین اس پر رشک کر رہے ہونگے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ جعفر شوستری نے الخصائص الحسینیہ میں کہا: شب عاشور امام حسین علیہ السلام کی قبر کے پاس شب داری کرنا جہاد سے افضل ہے۔

کیونکہ ممکن ہے مجاہد شہید نہ ہو لیکن جو شخص شب عاشور امام حسین علیہ السلام کی قبر کے نزدیک شب داری کرے اسے اجر شہادت سے نوازا جائے گا۔ ایسے ہی راہ خدا میں شہادت ایک بار نصیب ہوتی ہے جبکہ امام حسین علیہ السلام کی قبر کے پاس شب داری کا ثواب ہر سال کسب کیا جاسکتا ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے: امام حسین علیہ السلام اس حال میں محشور ہونگے کہ ان کی گردن کی رگوں سے خون جاری ہوگا۔

ایک اور حدیث میں ہے: روز قیامت امام حسین علیہ السلام اس حال میں محشور ہونگے کہ ان کا چہرہ انہی کے خون سے سرخ ہوا ہوگا اور ان کے ساتھ ان کے تمام اہل بیت اور اصحاب کے چہرے بھی اسی حال میں ہونگے۔[1]

اگر امام حسین علیہ السلام کی مقدس رگوں میں روز قیامت تک خون مطہر کا باقی رہنا جائز ہے تو پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ خدا اس خون کو بڑھائے اور وہ افراد جو شب عاشورا اس مرقد قدسی کے پاس صبح تک رہیں، وہ اس خون میں غلطان ہوں۔ وہ شب جو آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر سخت ترین رات ہے۔ جو شخص بھی امام حسین علیہ السلام سے کسی بھی انداز میں متوسل ہوتا ہے تو اس کا یہ توسل سعادت دائمی کا موجب بنتا ہے بالخصوص ان افراد کے لیے جو رضائے رب العالمین کی راہ پر چلنے والے ہیں اور یہ (عمل) اہل بیت

---

[1] البحار: ج ۱۳، حدیث مفضل بن عمر نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کی ہے۔

علیہ السلام کے شیعوں کو ہلاکت کی کھائی سے بچانے والا ہے۔[1]

---

[1] حاجی ملا سلطان علی روضہ خوان تبریزی، عابد و زاہد افراد میں سے تھے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے امام زمانہ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، عرض کی: اے میرے مولا! جو زیارت ناحیہ مقدس میں آیا ہے کہ: ((فلاندبنک صباحا ولابکین علیک بدل الدموع دما)) کیا وہ صحیح ہیں؟ فرمایا: ہاں! عرض کیا: جس غم میں آپ آنسوؤں کے بدلے خون روتے ہیں وہ کون سا غم ہے؟ کیا وہ علی اکبر علیہ السلام کی مصیبت ہے؟ فرمایا: نہیں، اگر علی اکبر علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی اس مصیبت پر گریہ کرتے۔ عرض کی: کیا وہ عباس علیہ السلام کی مصیبت ہے؟ فرمایا: نہیں، اگر عباس علیہ السلام ہوتے تو وہ بھی اس مصیبت پر گریہ کرتے۔ میں نے کہا: کیا وہ امام حسین علیہ السلام کی مصیبت ہے؟ فرمایا: نہیں اگر امام حسین علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی اس مصیبت پر گریہ کرتے۔ میں نے پوچھا: پس وہ کون سی مصیبت ہے؟ فرمایا: وہ مصیبت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی اسیری ہے۔ (شیفتگان حضرت مہدی علیہ السلام: ج ۲، ص ۱۳۴)

دفن جسدِ علی الاکبرؑ

مورخین کا کہنا ہے کہ سید الشہداءؑ نے میدان جنگ سے باہر ایک خیمہ نصب کیا تھا[1] آپ شہدائے اہل بیت و اصحاب کے لاشے اس میں رکھتے جاتے تھے۔ ہر ایک شہید کا لاشہ لاتے اور فرماتے: انبیاء اور ان کے خاندانوں کے مانند قتل ہونا (ہی قتل ہونا ہے)۔[2]

سوائے اپنے بھائی عباسؑ کے، کہ انھیں امام نہر فرات کے اسی کنارے پر چھوڑ آئے تھے جہاں وہ گھوڑے سے گرے تھے۔[3] اور اس کا سبب محققین پر آشکار ہے کہ قمر بن ہاشمؑ کا مزار جداگانہ طور پر تعمیر ہو اور ان کے زائرین و نیاز مند افراد ان کی زیارت کو جائیں اور ان سے کرامات ظاہر ہوں اور امت خدا کے نزدیک ان کی شان و منزلت سے واقف ہو جائے۔ حجت اور ولی خداؑ نے ارادۂ الٰہی کے تحت چاہا کہ ابوالفضل العباسؑ کی ظاہری شان بھی آخرت میں ان کی معنوی شان کی طرح ہو۔ اگر امام انھیں بقیہ شہداء کی طرح اپنی حائر میں منتقل کر دیتے تو عباسؑ بھی بقیہ شہداء کی طرح نور خورشید ولایت سید الشہداءؑ میں چھپ جاتے اور ان کی یہ بلند و بالا منزلت جو مقامات ائمہؑ کی شبیہ ہے ظاہر نہ ہوتی۔

عمر بن سعد حرم رسالت کو کوفے کی جانب لے چلا۔ اور ان شہداء کے لاشوں کو

---

[1] طبری: ج۶، ص ۲۵۶؛ ابن اثیر: ج۴، ص ۳۰۔

[2] بحار: ج۱۰، ص ۲۱۱ و ج ۱۳، ص ۱۳۵، نقل از غیبت نعمانی۔

[3] شیخ مفید نے الارشاد اور طبرسی نے اعلام الوریٰ: ص ۱۴۷ میں اس کی تصریح کی ہے، نیز سید نعمت اللہ جزائری نے الانوار النعمانیہ: ص ۳۴۴، الداودی نے عمدۃ الطالب: ص ۳۴۹ طبع نجف، طریحی نے المنتخب اور سید نے ریاض الاحزان: ص ۳۹ پر بھی یہی بات نقل کی ہے۔

صحرا کی گرم ریت اور درندوں کے درمیان چھوڑ گیا جن کے بارے میں امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ "وہ جو دنیا و آخرت میں شہداء کے سید و سردار ہیں" یعنی وہ جن کے مقام تک ماضی و مستقبل میں کوئی نہیں پہنچ سکتا۔[2]

ان کے درمیان سید شباب اہل جنت تھا جس کی حالت سخت پتھروں کو بھی پگلا رہے تھی؛ اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کے کینہ پرور سخت دشمنوں پر بھی رقت طاری تھی۔ اس کے اطراف میں انوار الٰہی درخشاں تھے اور اٹھ اٹھ کر آسمان تک جاتے تھے، اس خون میں ڈوبے بدن سے جنت کی نسیم معطر کی خوشبو آرہی تھی۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ نبوت کے شجرہ طیبہ سے مشتق ہے اور اس نے ذرِ عصمت و طہارت کا دودھ پیا اور ولایت علویہ کے دامن میں تربیت پائی ہے۔

بنی اسد سے تعلق رکھنے والا ایک شخص کہتا ہے: کربلا سے لشکر کے کوچ کر جانے کے بعد میں میدان میں آیا، ان بے سر اجسام سے نور ساطع ہو رہا تھا اور ان سے خوشبو آرہی تھی۔ میں نے ایک وحشت ناک شیر کو دیکھا جو ان کٹے پٹے لاشوں کے درمیان سے گزرتا ہوا دین حق پر فدا ہونے والے اس بدن مقدس تک پہنچا، اس نے خود کو اس کے خون سے لال کیا اور اس پیکر مطہر کی پناہ حاصل کی، وہ عجیب انداز میں چنگھاڑتا اور آوازیں نکالتا جس کی وجہ سے میں وحشت زدہ ہو گیا۔ یہ حیوان اسی حال میں رہا، معلوم ہوتا تھا جیسے اس بدن نورانی پر ماتم کر رہا ہو۔ ایک اور واقعہ جو میری حیرت کا سبب بنا وہ یہ تھا کہ آدھی رات کو میں نے بہت سی روشن شمعیں دیکھیں جن سے تمام زمین پُر تھی، ہر طرف سے گریہ و شیون کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔[3]

---

[1] کامل الزیارات: ص ۲۱۹

[2] ایضاً: ص ۲۰۷.

[3] مدینۃ المعاجز: ص ۲۶۳، باب ۱۲۷.

۱۳ محرم کو امام سجاد علیہ السلام اپنے شہید والد کے دفن کے لیے کربلا (بطور اعجاز امامت) تشریف لائے۔ کیونکہ امام ہی امام کے غسل و کفن و دفن کا متکفل ہوتا ہے۔[1] اس بات کی دلیل امام رضا علیہ السلام کا وہ فرمان ہے جو آپ سے علی بن ابو حمزہ بطائنی نے

[1] اس راز سے احادیث نے پردہ نہیں اٹھایا. شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ مرنے کے بعد امام کا جسم خاص آثار اور خصوصیات کا حامل ہوتا ہے لہذا جو خود امام نہ ہو اسے امام کے بدن کے نزدیک نہیں جانا چاہیے. یہ بات بعید نہیں کیونکہ ائمہ علیہم السلام کی خلقت حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے اور یہ تمام کمالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہیں سوائے نبوت اور ازواج کی تعداد کے۔ اس بات پر دلیل وہ حدیث ہے جو شیخ طوسی نے امالی: ص ۵۹ پر نقل کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کے وقت فضل بن عباس آنکھیں بند کیے پیکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پانی ڈال رہے تھے اور امیر المومنین علیہ السلام آپ کو غسل دے رہے تھے، فضل کی آنکھیں بند ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اگر کوئی آپ کے جسد پر نگاہ کرتا تو اندھا ہو جاتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم کے اثرات میں زندگی اور موت کے بعد تفاوت پایا جاتا ہے. یہ بات واضح ہے کہ فضل اور ان جیسے دوسرے افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں ان کا بدن دیکھتے تھے لیکن موت کے بعد ایک خصوصیت وجود میں آئی اور وہ یہ کہ فضل اور ان جیسے دوسرے افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدن نہ دیکھیں. یہ وہ مطالب ہیں کہ ہمارے افکار ان تک رسائی نہیں رکھتے لیکن ہمیں ان کا انکار نہیں کرنا چاہیے. احادیث میں نقل ہوا ہے کہ ائمہ علیہم السلام کے یہاں تعجب خیز حالات رہتے تھے جن سے دوسرے بے بہرہ ہیں، جیسے مردوں کو زندہ کرنا، آسمان کی جانب بدن کے ساتھ صعود کرنا، زائرین کا سلام سننا وغیرہ۔ مندرجہ کتب و مدارک کی جانب رجوع کر کے بیشتر اطلاعات کسب کی جاسکتی ہیں: المقالات شیخ مفید: ص ۸۴ طبع تہران؛ کنز الفوائد کراجکی: مرآۃ العقول: ج ۱، ص ۳۷۳؛ منہج الرشاد، شیخ اکبر کاشف الغطاء: ص ۵۱؛ دار السلام، محدث نوری: ج ۱، ص ۲۸۹.

نقل کیا ہے۔ امام نے اس سے فرمایا: بتا کیا حسین بن علی علیہما السلام امام تھے؟ اس نے کہا: ہاں! امام نے پوچھا: ان کی شہادت کے بعد کس نے ان کے کاموں کو انجام دیا؟ جواب دیا: علی ابن الحسین علیہما السلام نے۔ فرمایا: اس وقت علی بن الحسین علیہما السلام کہاں تھے؟ جواب دیا: کوفے میں ابن زیاد کی قید میں تھے۔ وہ زندان سے باہر آئے جبکہ زندان کے داروغہ متوجہ نہ ہوئے یہاں تک کہ اپنے والد کے امور دفن انجام دے کر زندان کی جانب لوٹ آئے۔

امام نے فرمایا: جس نے علی بن الحسین علیہما السلام کو یہ طاقت دی کہ وہ کربلا آئیں اور اپنے والد کے امور انجام دینے کے بعد واپس لوٹ جائیں، اسی ذات نے اس زمانے کے امام کو جو نہ قید میں ہے نہ اسیر، یہ قوت بخشی ہے کہ وہ بغداد جا کر اپنے والد کے امور انجام دے۔[1]

جب امام سجاد علیہ السلام کربلا پہنچے تو دیکھا کہ بنی اسد لاشوں کے درمیاں پریشان کھڑے ہیں، انہیں سمجھ نہ آتی تھی کہ کیا کریں؟ کیونکہ لاشوں پر سر نہیں تھے! امام سجاد علیہ السلام نے شہداء کا ان کے نام سے تعارف کروایا۔ گریہ وشیون کی صدائیں بلند ہوئیں اور بنی اسد کی خواتین نے پریشان بالوں کے ساتھ اپنے منہ پر طمانچے مارے۔

اس کے بعد امام سجاد علیہ السلام اپنے والد کے لاشے کی جانب تشریف لائے، اسے آغوش میں لیا اور بلند آواز سے گریہ کرنے لگے، اس کے بعد لاش کو قبر کے مقام تک لے گئے، تھوڑی سی مٹی ہٹائی، ناگاہ ایک تیار قبر اور بنا چھت کی ضریح ظاہر ہوئی، امام سجاد علیہ السلام نے اپنے ہاتھ اس بدن مبارک کے نیچے رکھے اور فرمایا:

بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علی ملة رسول اللہ صدق اللہ و رسولہ ماشاء اللہ و لا حول و لا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

---

[1] اثبات الوصیة مسعودی: ص ۱۷۳.

آپ نے تن تنہا اپنے والد کا لاشہ قبر میں اتارا، بنی اسد میں سے کوئی آپ کے ساتھ اس امر میں شریک نہ تھا۔ امام نے ان سے فرمایا: [ان معی من یعیننی] میرے ساتھ کچھ ایسے افراد ہیں جو میری مدد کر رہے ہیں۔

جب امام لاشے کو قبر میں رکھ چکے تو آپ نے اپنے لب ان کٹی ہوئی مقدس رگوں پر رکھ دیے اور فرمایا:

طوبی لارض تضمنت جسدک الطاهر اما اللیل فمسهد و الحزن سرمد او یختار الله لاهل بیتک التی انت بها مقیم و علیک منی السلام یا بن رسول الله و رحمة الله و برکاته.

مبارک ہو اس زمین کو جو آپ کے جسد مطہر کی حامل ہے۔ لیکن مجھے اب راتوں کو نیند نہیں آئے گی نیز میرا غم واندوہ بھی ختم ہونے والا نہیں یہاں تک کہ خدا آپ کے خاندان کے لیے بھی اسی جگہ کا انتخاب کرے جس میں آپ اقامت پذیر ہیں۔

یابن رسول اللہ ﷺ! آپ پر خدا کی رحمت، برکات اور سلام ہو!

امام سجاد علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے امام حسین علیہ السلام کی قبر پر یہ عبارت تحریر فرمائی: هذا قبر الحسین بن علی بن ابی طالب الذی قتلوه عطشانا غریبا.

یہ حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام کی قبر ہے جسے پیاسا اور بے وطن مارا گیا۔

اس کے بعد اپنے چچا عباس علیہ السلام کی لاش کی جانب تشریف لائے اور انہیں اس حال میں دیکھا جس نے آسمانی فرشتوں کو وحشت زدہ اور حوران بہشت کو رولا دیا تھا۔ امام جھکے اور اپنے عزیز چچا کی کٹی رگوں کا بوسہ لیا اور فرمایا:

[علی الدنیا بعدک العفا یا قمر بنی ہاشم! علیک منی السلام من شهید محتسب و رحمة الله و برکاته] اے قمر بنی ہاشم! آپ کے بعد دنیا پر خاک، خدا کا سلام، رحمت اور برکات ہو آپ پر اے شہید محتسب!

اس کے بعد آپ نے اپنے عموؑ کے لیے ایک قبر کھودی اور اپنے والد کی طرح انہیں بھی تن تنہا قبر میں اتارا اور بنی اسد سے فرمایا: [ان معی من یعیننی] میرے ساتھ کچھ ایسے افراد موجود ہیں جو میری مدد کر رہے ہیں۔

اس کے بعد بنی اسد کو حکم دیا کہ دو قبریں بنائیں، ان میں سے ایک میں بنی ہاشم کو اور دوسری میں اصحاب امام کو دفن کریں۔[1] حر کا قبیلہ ان کی شہادت کے بعد ان کا لاشہ میدان سے دور اٹھا لے گیا تھا اور اسے وہاں دفن کیا جہاں اس وقت ان کا مزار بنا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ حر کی ماں کربلا میں موجود تھیں جیسے ہی انہوں نے دیکھا کہ دشمن شہداء کے سروں کو جدا کر رہا ہے اور لاشوں کو پائمال سم اسپاں کیا جا رہا ہے تو وہ حر کا جنازہ اس مقام پر اٹھا لائیں (جہاں اس وقت ان کا مزار موجود ہے)۔[2]

---

[1] الکبریت الاحمر و اسرار الشهادة و الایقاد للعلامة الجلیل سید محمد علی الشاه عبد العظیمی رحمہ اللہ۔

[2] کبریت احمر: سید نعمت اللہ جزائری کتاب الانوار النعمانیہ: ص ۳۴۵ میں کہتے ہیں: بغداد پر قابض ہونے کے بعد شاہ اسماعیل صفوی امام حسینؑ کی زیارت کے لیے گیا۔ اسے بتایا گیا کہ بعض علماء حر کی توبہ کے بارے میں موجود روایات کو صحیح نہیں سمجھتے، لہذا اس نے نبش قبر کا حکم دیا۔ جب قبر کھولی گئی تو ان کا جسد سالم و تازہ پایا، ان کے سر پر ایک رومال تھا۔ شاہ اسماعیل نے اسے کھول لیا تاکہ اپنے پاس رکھ سکے، لیکن اس کے کھولتے ہی حر کے زخم سے تازہ خون نکلنے لگا۔ بڑی کوشش کی گئی لیکن خون نہ رکا، بالآخر وہ رومال دوبارہ ان کے سر پر باندھ دیا گیا، جیسے ہی رومال باندھا گیا خون رک گیا۔ شاہ اسماعیل یہ دیکھ کر خوش ہوا۔ اس نے ان کی قبر پر قبہ تعمیر کروا کر وہاں کے لیے خدام معین کر دیے۔

مرقد علی الاکبرؑ

برہان صحیح اس بات پر گواہ ہے کہ جو کچھ بھی امام معصوم انجام دے اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی حکمت ضرور پوشیدہ ہوتی ہے؛ یا اس کا ہر کام کسی حکم کے بیان کی خاطر ہوتا ہے، یا اس سے کسی فضیلت کا اظہار مطلوب ہوتا ہے، یا اس کے پیش نظر کوئی نہ کوئی بڑا ہدف ضرور رہتا ہے۔

جب امام سجادؑ نے علی اکبرؑ کو ان کے والد کے قریب (قبر میں) دفنایا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کام کا ہدف امت کو ابوالحسن (علی اکبرؑ) کے کمالات وصفات وفضائل کا تعارف کروانا تھا۔ وہ مکارم جنہیں درک کرنے سے عقل انسانی ناتواں ہے۔ وہ شہدائے کربلا میں سب سے زیادہ مقرب بارگاہ ربوبی تھے۔

امام سجادؑ وہ ہستی ہیں جو حجت خدا ہیں اور افراد کے باطن اور ان کے اعمال کی قدر و قیمت سے آگاہ بھی ہیں۔ آپ کے تحت نظر ایک اور امر بھی تھا اور وہ یہ کہ یہ حالت دلوں کو کباب کرے گی اور یوں اشکوں کے سیلاب جاری ہوں گے ۔ کون سا مومن ہے جو اس بارگاہ قدس میں اجازت تشرف پائے، اس قبر کے سامنے کھڑا ہو اور یہ آیت اس کے لیے متمثل نہ ہو جائے؟ ((ووالد وما ولد))۔ یہ دو قبور اپنے اندر دفن ٹکڑے ٹکڑے بدن، بہتے خون، بے علاج زخم، جدا شدہ سر، کباب کلیجوں، چند شعبہ تیروں سے چھدے ہوئے دلوں یا کٹی ہوئی انگلیوں کی یاد دلاتی ہیں۔

ہاں! سید الشہداءؑ کے پہلو میں ان کا بیٹا علی اکبرؑ جو لوگوں میں سب سے زیادہ خلق وخُلق و گفتار میں رسول اللہ ﷺ کی شبیہ تھا تلواروں سے ٹکڑے میں تقسیم ہو کر اس قبر میں دفن ہے۔

امام حسینؑ نے اپنے بیٹے علی اکبرؑ پر گزرنے والی ہر مصیبت کا

مشاہدہ کیا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ کیسے وہ خاک وخون میں غلطاں ہوا۔ دشمن نے اس کے جسم کا کوئی حصہ سالم نہ چھوڑا۔ جب علی اکبر علیہ السلام شہید ہوئے (گویا) حسین علیہ السلام کے پیکر سے روح پرواز کر گئی، کیونکہ آپ اسے پانی نہ پہنچا سکے اور نہ دشمن کو ان سے دور کر سکے، امام نے علی اکبر علیہ السلام کے چہرے پر چہرہ رکھا اور جب واپس اٹھایا تو آپ کے چہرے پر اشکوں کا ایک سیلاب جاری تھا اور آپ کے نالے اور فغان بلند ہوتے تھے۔

ہاں! جب اہل بیت علیہم السلام کے شیعہ امام حسین علیہ السلام کی ضریح مقدس ومطہر کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو ان کے کلیجے کباب ہو جاتے ہیں، اشک انہیں مہلت نہیں دیتے، وہ دنیا سے متنفر ہو جاتے ہیں اور ان کی محبت وولایت جو اجر رسالت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ ہے، اس میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

﴿قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾

اس حالت میں ان کے قلب میں ان مصائب کی وجہ سے جو علی اکبر علیہ السلام پر ٹوٹے تھے آگ بھڑک اٹھتی ہے، وہ دشمنان اہلبیت علیہم السلام سے تبریٰ اختیار کرتے ہیں اور ان پر لعن کرنے سے پرہیز نہیں کرتے اور اس حالت کی جانب توجہ کرنے سے نعمات دائمی، اجر الٰہی اور دنیا و آخرت کی سعادت تک دسترس حاصل کرتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کے قیام کے اہداف میں سے ایک بنوامیہ کو کھلم کھلا رسوا کرنا اور ان کی بے انتہاء قساوت و شراتوں کو ظاہر کرنا تھا۔ آپ نے ثابت کر دیا کہ یہ مسلمانوں پر خلافت و حکمرانی کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور ان میں شرعی، عرفی اور انسانی صلاحیتوں کا کہیں کوئی نام ونشان نہیں۔ جو کچھ بنوامیہ نے آئینہ جمال محمدی اور خلق وخوئی نبوی یعنی علی اکبر علیہ السلام نیز دیگر شہدائے کربلا کے ساتھ کیا وہ کوئی درندہ بھی انجام نہیں دیتا۔

امام حسین علیہ السلام نے ثابت کر دیا کہ جو اس قسم کی جنایات و ظلم کرتے ہیں وہ ناموس الٰہی کو جاری کرنے سے منحرف، ملکات فاضلہ سے عاری اور دائرہ انسانیت سے خارج ہیں، وہ خلافت اور مسلمانوں پر حکمرانی کی لیاقت نہیں رکھتے۔

امام صادق علیہ السلام نے حماد بصری سے فرمایا:

فَإِنَّهُ غَرِيبٌ بِأَرْضِ غُرْبَةٍ يَبْكِيهِ مَنْ زَارَهُ وَ يَحْزَنُ لَهُ مَنْ لَمْ يَزُرْهُ وَ يَحْتَرِقُ لَهُ مَنْ لَمْ يَشْهَدْهُ وَ يَرْحَمُهُ مَنْ نَظَرَ إِلَى قَبْرِ ابْنِهِ عِنْدَ رِجْلِهِ فِي أَرْضِ فَلَاةٍ لَا حَمِيمَ قُرْبَهُ وَ لَا قَرِيبَ ثُمَّ مُنِعَ الْحَقَّ وَ تَوَازَرَ عَلَيْهِ أَهْلُ الرِّدَّةِ حَتَّى قَتَلُوهُ وَ ضَيَّعُوهُ وَ عَرَّضُوهُ لِلسِّبَاعِ وَ مَنَعُوهُ شُرْبَ مَاءِ الْفُرَاتِ الَّذِي يَشْرَبُهُ الْكِلَابُ وَ ضَيَّعُوا حَقَّ رَسُولِ اللَّهِ ص وَ وَصِيَّتَهُ بِهِ وَ بِأَهْلِ بَيْتِهِ فَأَمْسَى مَجْفُوّاً فِي حُفْرَتِهِ صَرِيعاً بَيْنَ قَرَابَتِهِ وَ شِيعَتِهِ بَيْنَ أَطْبَاقِ التُّرَابِ قَدْ أُوحِشَ قُرْبُهُ فِي الْوَحْدَةِ وَ الْبُعْدِ عَنْ جَدِّهِ وَ الْمَنْزِلِ الَّذِي لَا يَأْتِيهِ إِلَّا مَنِ امْتَحَنَ اللَّهُ قَلْبَهُ لِلْإِيمَانِ وَ عَرَّفَهُ حَقَّنَا فَقُلْتُ لَهُ جُعِلْتُ فِدَاكَ قَدْ كُنْتُ آتِيهِ حَتَّى بُلِيتُ بِالسُّلْطَانِ وَ فِي حِفْظِ أَمْوَالِهِمْ وَ أَنَا عِنْدَهُمْ مَشْهُورٌ فَتَرَكْتُ لِلتَّقِيَّةِ إِتْيَانَهُ وَ أَنَا أَعْرِفُ مَا فِي إِتْيَانِهِ مِنَ الْخَيْرِ فَقَالَ هَلْ تَدْرِي مَا فَضْلُ مَنْ أَتَاهُ وَ مَا لَهُ عِنْدَنَا مِنْ جَزِيلِ الْخَيْرِ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ أَمَّا الْفَضْلُ فَيُبَاهِيهِ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ وَ أَمَّا مَا لَهُ عِنْدَنَا فَالتَّرَحُّمُ عَلَيْهِ كُلَّ صَبَاحٍ وَ مَسَاءٍ وَ لَقَدْ حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ لَمْ يَخْلُ مَكَانُهُ مُنْذُ قُتِلَ مِنْ مُصَلٍّ يُصَلِّي عَلَيْهِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ أَوْ مِنَ الْجِنِّ أَوْ مِنَ الْإِنْسِ أَوْ مِنَ الْوَحْشِ وَ مَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا وَ هُوَ يَغْبِطُ زَائِرَهُ وَ يَتَمَسَّحُ بِهِ وَ يَرْجُو فِي النَّظَرِ إِلَيْهِ الْخَيْرَ لِنَظَرِهِ إِلَى قَبْرِهِ ثُمَّ قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ قَوْماً يَأْتُونَهُ مِنْ نَوَاحِي الْكُوفَةِ وَ نَاساً [أُنَاساً] مِنْ غَيْرِهِمْ وَ نِسَاءً يَنْدُبْنَهُ وَ ذَلِكَ فِي النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَمِنْ بَيْنِ قَارِئٍ يَقْرَأُ وَ قَاصٍّ يَقُصُّ وَ نَادِبٍ يَنْدُبُ وَ قَائِلٍ يَقُولُ الْمَرَاثِيَ فَقُلْتُ لَهُ نَعَمْ جُعِلْتُ فِدَاكَ قَدْ شَهِدْتُ بَعْضَ مَا تَصِفُ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي النَّاسِ مَنْ يَفِدُ إِلَيْنَا وَ يَمْدَحُنَا وَ يَرْثِي لَنَا وَ جَعَلَ عَدُوَّنَا مَنْ يَطْعُنُ عَلَيْهِمْ مِنْ قَرَابَتِنَا وَ غَيْرِهِمْ يَهُدُّونَهُمْ [يُهَدِّدُونَهُمْ] وَ

يَفْتَخِرُونَ بِمَا يَصْنَعُونَ.[1]

حسین بن علی علیہ السلام غریب الوطن تھے اور دیار غیر میں دفن ہوئے، جو بھی ان کی زیارت کرتا ہے، وہ ان پر روتا ہے اور اگر ان کی زیارت کرنے میں کامیاب نہ ہو تو اس کا دل ان کے لیے محزون ہوتا ہے اور اس کا دل ان کے لیے کباب رہتا ہے اور جو کوئی بھی ان کے پائنتی ان کے بیٹے علی اکبر علیہ السلام کی جانب نگاہ کرتا ہے اس کا دل بھی جل اٹھتا ہے۔ ایک ایسی ہموار زمین میں جس میں نہ ان کا کوئی دوست تھا اور نہ کوئی رشتے دار، انہیں ان کے حق سے محروم کیا گیا، ان پر دین سے پھرے ہوئے افراد نے حملہ کر دیا تاکہ انہیں قتل کر دیں، انہیں درندوں کے لیے چھوڑ دیا، آب فرات جسے کتے تک پی رہے تھے وہ پانی انہوں نے امام کو نہ پینے دیا۔ انہوں نے امام حسین علیہ السلام اور اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی وصیت کو پس پشت ڈال دیا۔ رات میں وہ اپنی قبر میں اپنے خاندان اور شیعوں کے درمیان خاک میں پنہاں تھے۔ تن تنہا اور اپنے جد سے دور، وہ اس جگہ پر تھے جہاں فقط وہ لوگ جاتے ہیں جن کے قلب کا خدا نے ایمان اور ہمارے حق کی معرفت کے ذریعے امتحان لے لیا ہو۔

میرے والد نے مجھ سے فرمایا: شہادت کے زمانے سے ان کا حرم نماز گزاروں سے خالی نہیں ہوا۔ فرشتے، جنات وانس حتی کہ وحشی جانور بھی ان کے زائر پر رشک کرتے ہیں اور ان کی جانب دیکھنے سے خیر کی امید رکھتے ہیں کیونکہ اس نے امام کی قبر کو دیکھا ہوتا ہے، اور اس سے تبرک وبرکت حاصل کرتے ہیں۔ خدا ان کے زائرین کے ذریعے سے فرشتوں پر فخر ومباہات کرتا ہے اور ہم ہر صبح وشام ان کے لیے بارگاہ خدا سے رحمت طلب کرتے ہیں۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ کوفہ کے کچھ باسی اور دوسرے افراد نیمہ شعبان میں ان کی قبر

---

[1] مزار البحار: ص ۱۲۴؛ عن کامل الزیارۃ [ص ۳۲۵].

پر جاتے ہیں۔ بعض لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور بعض واقعات کربلا نقل کرتے ہیں، بعض ان کے لیے نوحہ اور گریہ وزاری کرتے ہیں اور پڑھنے والے ان کے لیے مرثیہ خوانی کرتے ہیں اور خواتین ان کے لیے گریہ وشیون کرتی ہیں۔

حماد نے کہا: آپ نے جو کچھ فرمایا اس میں سے بعض امور میں نے خود بھی دیکھے ہیں۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی حمد ہے اس پر کہ اس نے لوگوں میں ایسے بندے بھی رکھے ہیں جو ہماری طرف آتے ہیں، ہماری مدح وثناء کرتے ہیں، ہمارے لیے مرثیے کہتے ہیں، اس نے ہمارے دشمن کو ایسا رکھا ہے کہ وہ انہیں طعنے کستا ہے اور ان کے ان کاموں کو برا جانتا ہے۔

امام معصوم کے کلام کا یہ حصہ حرم ہائے مقدسہ اور زیارتگاہوں میں شیعوں کے ان اعمال کی محبوبیت پر دلیل ہے، یہ روش اہل بیت علیہم السلام کی ترویج ہے، نیز شیعوں کے لیے ایک درس بھی کہ ائمہ علیہم السلام کے پاس مال، خاندان یہاں تک کہ جان مطہر میں سے جو کچھ بھی تھا وہ انہوں نے دین پر فدا کر دیا۔ محبین وشیعان اہل بیت علیہم السلام خوشی یا غمی کے ایام میں ان شعائر میں سے جو کچھ انجام دیتے ہیں وہ ان کے امر کو زندہ کرنا، ان کی دعوت کی ترویج اور ان کے فضائل کا تعارف ہے۔ لازم ہے کہ اس راہ میں سختیوں کو آسان سمجھا جائے اور ان کے حکم کے اجراء میں کوتاہی نہ برتی جائے۔

قابل ذکر ہے کہ شیعوں کے ان اعمال کا جاہل اور غیروں کا ایک گروہ مذاق اور تمسخر اڑاتا ہے، لیکن اس سے ان اعمال کی محبوبیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو حج ونماز جیسے دوسرے دینی احکامات کا معیار دوسروں کے تمسخر اور مذاق کی وجہ سے لغو ہو جاتا لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ صدر اسلام میں جب یہودیوں اور مشرکین نے اذان کا مذاق اڑایا تو اس وقت کے مسلمانوں نے اس تمسخر کی جانب کوئی توجہ نہیں دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر برابر سے عمل کیا، ان کے عزم میں کوئی خلل واقع

نہیں ہو، وہ اظہار حقائق اور نشر احکامات دین میں متردد نہ ہوئے اور نہ اس راہ میں تھکاوٹ کا شکار ہوئے۔

اگر نور حقیقت سے محروم افراد کا تمسخر اور مذاق اڑانا ان شعائر کے لغو ہونے کا موجب بنتا تو وہ امام جو احکام کا بیان کرنے والا اور راہ ہدایت کا دکھانے والا ہے، اس پر لازم تھا کہ وہ لوگوں کو ان اعمال سے روکتا، جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو شیعہ یہ اعمال انجام دیتے تھے امام نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور جو لوگ ان امور پر راضی نہیں تھے ان کے لیے محرومیت اور نقصان کی وعید سنائی۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: خدا کی حمد ہے اس پر کہ اس نے لوگوں میں ایسے بندے بھی رکھے ہیں جو ہماری طرف آتے ہیں، ہماری مدح و ثناء کرتے ہیں، ہمارے لیے مرثیے کہتے ہیں، اس نے ہمارے دشمن کو ایسا رکھا ہے کہ وہ انہیں طعنے کستا ہے اور ان کے ان کاموں کو برا جانتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں فرماتے ہیں: خدا کی قسم انہوں نے سعادت حاصل کرنے میں غلطی کی ہے اور یہ خدا کے اجر و ثواب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوار سے محروم ہو گئے ہیں۔

پس امام پر لازم تھا کہ ذریح جن کا اس وجہ سے مذاق اڑایا گیا تھا انہیں زیارت کرنے سے منع فرماتے لیکن امام نے ان کے کام کی درج ذیل جملے سے تائید فرمائی:

یا ذریح! دع الناس یذھبون حیث شاؤوا، و کن معنا؛

اے ذریح لوگوں کو جہاں جاتے ہیں جانے دے، تو ہمارے ساتھ رہ!

یہ جملہ ان اعمال کی انجام دہی کے سلسلے میں امام صادق علیہ السلام کی رغبت اور ان سے امام کے والہانہ لگاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔

معاویہ بن وہب روایت کرتا ہے کہ امام صادق علیہ السلام سجدے میں یہ دعا فرما

رہے تھے:

اللَّهُمَّ إِنَّ أَعْدَاءَنَا عَابُوا عَلَيْهِمْ خُرُوجَهُمْ ... إِلَيْنَا وَ خِلَافاً مِنْهُمْ عَلَى مَنْ خَالَفَنَا... وَارْحَمْ تِلْكَ الصَّرْخَةَ الَّتِي كَانَتْ لَنَا... وَارْحَمْ تِلْكَ الْقُلُوبَ الَّتِي جَزِعَتْ وَ احْتَرَقَتْ لَنَا... وَارْحَمْ تِلْكَ الْأَعْيُنَ الَّتِي جَرَتْ دُمُوعُهَا رَحْمَةً لَنَا.[1]

بار الہا! ہمارے دشمن ہمارے دوستوں پر پھبتیاں کستے ہیں اور ان کی عیب جوئی کرتے ہیں کہ وہ کیوں ہماری زیارت کو آتے ہیں۔ خدایا! اس نالہ وشیون پر رحم نازل فرما جو ہمارے لیے بلند ہوتے ہیں، خدایا ان دلوں پر رحم فرما جو ہمارے مصائب میں بے تاب اور کباب ہو جاتے ہیں، اے خدا ان آنکھوں پر رحم فرما جو ہمارے ساتھ نیکی کرتے ہوئے اشک بہاتی ہیں۔

امام کا یہ فرمان شیعوں کے ان اعمال کی تائید کرتا ہے جو وہ اہل بیت علیہم السلام کی مظلومیت اور حقانیت کے اعلان کی خاطر انجام دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ آپ نے امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا:

ان حثالة من الناس يعيرون زوار كم كما تعير الزانية بزناها أولئك شرار أمتي لا نالتهم شفاعتي يوم القيامة. پست صفت لوگ تمہاری قبور کے زائرین کو کمتر سمجھیں گے ویسے ہی جیسے ہرزہ سرا عورتوں کے زنا کرنے کو ننگ وعار سمجھتے ہیں، یہ میری امت کے بدترین افراد ہونگے۔ خدا روز قیامت میری شفاعت ان کے شامل حال نہ کرے۔[2]

---

[1] الکافی: ج ۴، ص ۵۸۲؛ ابن قولویہ فی کامل الزیارۃ: ص ۱۱۶؛ ہم نے یہ پوری روایت اپنے مقتل: ص ۳۱ پر نقل کی ہے۔

[2] فرحۃ الغری ابن طاووس: ص ۶۳.

علی الاکبر علیہ السلام کے زیارت نامے

زیارت

بدیہی ہے کہ بزرگان کے فضائل، کمالات اور کرامتوں کا نشر کرنا ان کی راہ و روش و رسم کی شناخت و معرفت کے لیے ایک اہم عامل ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے بلند مقام کی معرفت کا بھی موجب بنتا ہے۔ انسان جس قدر عظمت کی چوٹی سے نزدیک ہوتا ہے وہ دلوں میں اتنا ہی اثر رکھتا ہے۔ ایسے شخص کی پیروی کرنے کے لیے مصمم ارادہ کرنا چاہیے نیز دوسرے سے بڑھ کر اس کی خاطر فداکاری دکھانی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ قومیں اپنی بزرگ شخصیات کے لیے قصیدہ و مرثیہ سرائی کرتی ہیں اور ان کی یاد میں مجالس برپا کرتی ہیں۔ گویا وہ شخصیت اپنے فضائل کے ہمراہ دلوں میں جگہ پا جاتی ہے اور سامعین اسے اس کی یاد میں برپا ہونے والی مجلس میں حاضر پاتے ہیں۔ (یہ سب اس لیے ہوتا ہے) تاکہ لوگ اس کے فضائل کو فراموش نہ کریں اور اس کے کاموں کی یاد رکھیں۔

یہی وجہ ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی قبور کی زیارت کے وقت ایسی عبارات اور کلمات وارد ہوئے ہیں جو ان کی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور ان کی روش کو وسعت بخشنے کے اہم عوامل میں سے ہیں۔ یہ زائر کو کمال انسانیت کے بالاتر درجے تک پہنچا دیتے ہیں اور اسے محبت لقاء اللہ کی راہ پر گامزن کر دیتے ہیں۔ ہر چند کہ حقیقت زیارت، اس ہستی کے نزدیک جس کی زیارت کی جا رہی ہو حاضر ہونے اور کسی بھی عبارت کے ساتھ اس پر سلام کرنے کے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کلمات، حقیقت زیارت میں چنداں دخالت نہیں رکھتے۔ ابن ظبیان کی روایت اس مدعا پر گواہ ہے۔

اس روایت میں ایک مقام پر آیا ہے:

جب تو نہر فرات کے نزدیک پہنچے تو غسل کر اور دو حصوں پر مشتمل لباس میں ملبوس ہو۔ اس کے بعد خشکی پر جا اور کہہ: صلی اللہ علیک یا ابا عبداللہ. اور اس کے بعد تیری زیارت پوری ہوئی۔[1]

ایک دوسری روایت میں ابن ظبیان امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے: میں آپ پر فدا، میں امام حسین علیہ السلام کو بہت زیادہ یاد کرتا ہوں، (جب میں انہیں یاد کرتا ہوں) تو کیا کہا کروں؟ فرمایا: تین بار کہا کر: ((السلام علیک یا ابا عبداللہ)) کیونکہ نزدیک یا دور دونوں سے ہی سلام ان تک پہنچ جاتا ہے۔[2]

لیکن لوگوں کی سعی و کوشش اور ان کے اعمال کے درجات مختلف ہوتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ انبیاء و اوصیاء علیہم السلام فضیلت و تقویٰ کے بلند ترین درجے پر فائز ہیں، یہی وجہ ہے کہ علوم کی چابیاں ان کے اختیار میں ہیں اور ان کے معجزات حد شمار سے خارج ہیں۔ لہذا امید کی جاتی ہے کہ ان کی مرقد مقدس کے پاس ہونا خدائے سبحان کی بارگاہ میں تقرب کا سبب بنتا ہے اور انسان کا شریعت پر عقیدہ و ایمان اور زیادہ راسخ و مستحکم ہو جاتا ہے۔

البتہ بعض زیارتوں میں مخصوص عبارتوں کا موجود ہونا ان اہداف کے تحقق میں بہت مؤثر ہوتا ہے اور چونکہ ائمہ علیہم السلام انسانوں کی راہ خیر و سعادت کی جانب ہدایت کرنے والے ہیں نیز لوگوں کے ضمائر سے بھی آگاہ ہیں اور خود کمال و فضیلت کی چوٹی پر موجود ہیں لہذا وہ بقیہ تمام افراد کی نسبت اس چیز کو بہتر جانتے ہیں جو ان کی تجلیل اور عظمت مقام کے بیان کے قابل ہو۔ سو ہمیں ان کے اقوال سے تمسک اختیار کرنا

---

[1] اسرار الشہادۃ: ص ۱۳۶.

[2] مزار بحار: ص ۱۵۱، نقل از کامل الزیارۃ.

چاہیے؛ بالخصوص ان معتبر زیارات کے سلسلے میں جو ائمہ معصومین علیہم السلام سے صادر ہوئی ہیں کیونکہ یہ زیارات اس ہستی کے مقام و فضائل کے مطابق ہوتی ہیں جس کی زیارت کی جارہی ہوتی ہے نیز اس پر پڑنے والے مصائب کی متقن انداز میں بیان کرنے والی بھی ہوتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ احادیث میں دعا اور زیارت بنانے کی نہی کی گئی ہے اور اس کا راز یہ ہے کہ بندہ خدا کے سامنے اور اپنی حاجات کی قبولیت کے لیے اس سے متوسل ہوتے وقت انہی عبارات کو زبان پر جاری کرے جو اس کے مقام کے شایان شان ہوں۔

ائمہ علیہم السلام چونکہ ان کے مقام عزو کبریائی سے آگاہ ہیں لہذا جانتے ہیں کہ کون سی عبارات اس کے لائق ہیں اور انہیں کس طرح ادا کرنا چاہیے۔

عبدالرحمن قصیر نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا: میں نے ایک دعا بنائی ہے! امام نے فرمایا: جو تو نے بنائی ہے اسے چھوڑ، جب بھی تیرے لیے کوئی مشکل پیش آئے تو یوں کہہ:... اور اس کے بعد اسے ایک دعا تعلیم فرمائی۔

امام رضا علیہ السلام نے مقاتل سے ارشاد فرمایا: جب بھی تجھے کوئی مشکل پیش آئے تو صاف ستھرا لباس پہن اور کہہ:...اس کے بعد آپ نے اسے دعا تعلیم فرمائی۔[1]

ایک شخص امام صادق علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ اسے کوئی دعا تعلیم فرمادیں۔ امام نے فرمایا: کہہ: يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ؛ اس مرد نے کہا: يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ وَ الْأَبْصَارِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ؛ امام نے فرمایا: وہی کہہ جو میں نے کہا ہے، بے شک خدا مقلب القلوب بھی ہے اور مقلب الابصار بھی، (لیکن تو وہی کہہ جو میں نے کہا ہے)

---

[1] فروع کافی: نماز حاجت: ص ۴۷۷.

امام کا درمیان میں ((الابصار)) کا اضافہ کرنے سے منع فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ امام عبارت کی مخصوص بناوٹ کی معرفت رکھتے ہیں جو کہ رحمت الٰہی کا سبب بنتی ہے۔ اس کلمے کا دعا میں اضافہ کرنا نزول رحمت جو دعا کا نتیجہ ہے، خلل کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ علیہم السلام سے وارد شدہ ادعیہ وزیارت ناموں کی اقتداء کرنے میں خالی زیارت کرنے سے زیادہ اجر وثواب موجود ہے۔ جابر جعفی کی حدیث اس حقیقت کو بیان کرتی ہے۔[1]

امام نے فرمایا: حائر امام حسین علیہ السلام کے دروازے پر کھڑا ہو جا اور یہ کلمات پڑھ، ہر کلمے کے بدلے تجھے خدا کی رحمت کا ایک حصہ نصیب ہوگا۔ اس کے بعد امام نے زیارت بیان فرمائی۔

اس مقدمے کے بعد علی اکبر علیہ السلام کی زیارت کے بارے میں ائمہ علیہم السلام سے جو کچھ مخصوص عبارات کے ساتھ وارد ہوا ہے، ہم اسے نقل کرتے ہیں تاکہ جان سکیں کہ ائمہ علیہم السلام کے نزدیک ان کی کیا مقام ومنزلت تھی، کیونکہ شہدائے کربلا کے لیے ائمہ علیہم السلام کی جانب سے عام زیارات نقل ہونے کے باوجود بھی علی اکبر علیہ السلام کے لیے مخصوص عبارات کے ساتھ بھی زیارت نامے نقل ہوئے ہیں۔

زیارت اول:

شیخ جلیل ابن قولویہ رحمہ اللہ ابو حمزہ ثمالی سے نقل کرتے ہیں کہ امام صادق علیہ السلام نے مجھے امام حسین علیہ السلام کی زیارت کا طریقہ تعلیم فرمایا، اس کے بعد فرمایا: اس کے بعد علی بن الحسین علیہما السلام کی قبر کے پاس جا جو امام حسین علیہ السلام کی پائنتی پر ہے، ان کی قبر کے پاس کھڑا ہو کر کہہ:

---

[1] مستدرک الوسائل: ج ۲، ص ۲۱۲.

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُولِ اللَّهِ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ وَ ابْنَ خَلِيفَةِ رَسُولِ اللَّهِ وَ ابْنَ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ مُضَاعَفَةً كُلَّمَا طَلَعَتْ شَمْسٌ أَوْ غَرَبَتْ السَّلَامُ عَلَيْكَ وَ عَلَى رُوحِكَ وَ بَدَنِكَ بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي مِنْ مَذْبُوحٍ وَ مَقْتُولٍ مِنْ غَيْرِ جُرْمٍ بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي دَمُكَ الْمُرْتَقَى بِهِ إِلَى حَبِيبِ اللَّهِ بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي مِنْ مُقَدَّمٍ بَيْنَ يَدَيْ أَبِيكَ يَحْتَسِبُكَ وَ يَبْكِي عَلَيْكَ مُحْتَرِقاً عَلَيْكَ قَلْبُهُ يَرْفَعُ دَمَكَ بِكَفِّهِ إِلَى أَعْنَانِ السَّمَاءِ لَا يَرْجِعُ مِنْهُ قَطْرَةٌ وَ لَا تَسْكُنُ عَلَيْكَ مِنْ أَبِيكَ زَفْرَةٌ وَدَّعَكَ لِلْفِرَاقِ فَمَكَانُكُمَا عِنْدَ اللَّهِ مَعَ آبَائِكَ الْمَاضِينَ وَ مَعَ أُمَّهَاتِكَ فِي الْجِنَانِ مُنَعَّمِينَ أَبْرَأُ إِلَى اللَّهِ مِمَّنْ قَتَلَكَ وَ ذَبَحَكَ.

اس کے بعد ان کی قبر کے پاس بیٹھ جا، اپنا ہاتھ اس پر رکھ اور کہہ:

سَلَامُ اللَّهِ وَ سَلَامُ مَلَائِكَتِهِ الْمُقَرَّبِينَ وَ أَنْبِيَائِهِ الْمُرْسَلِينَ وَ عِبَادِهِ الصَّالِحِينَ عَلَيْكَ يَا مَوْلَايَ وَ ابْنَ مَوْلَايَ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَ عَلَى عِتْرَتِكَ وَ أَهْلِ بَيْتِكَ وَ آبَائِكَ وَ أَبْنَائِكَ وَ أُمَّهَاتِكَ الْأَخْيَارِ الْأَبْرَارِ الَّذِينَ أَذْهَبَ اللَّهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَ طَهَّرَهُمْ تَطْهِيراً السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُولِ اللَّهِ وَ ابْنَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَ ابْنَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ لَعَنَ اللَّهُ قَاتِلَكَ وَ لَعَنَ اللَّهُ مَنِ اسْتَخَفَّ بِحَقِّكُمْ وَ قَتَلَكُمْ لَعَنَ اللَّهُ مَنْ بَقِيَ مِنْهُمْ وَ مَنْ مَضَى نَفْسِي فِدَاؤُكُمْ وَ لِمَضْجَعِكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَ سَلَّمَ تَسْلِيماً كَثِيراً.

اس کے بعد اپنا چہرہ قبر پر رکھ اور تین بار کہہ:

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا أَبَا الْحَسَنِ.

بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي أَتَيْتُكَ زَائِراً وَافِداً عَائِذاً مِمَّا جَنَيْتُ عَلَى نَفْسِي وَ احْتَطَبْتُ عَلَى ظَهْرِي أَسْأَلُ اللَّهَ وَلِيَّكَ وَ وَلِيِّي أَنْ يَجْعَلَ حَظِّي مِنْ زِيَارَتِكَ عِتْقَ رَقَبَتِي مِنَ النَّارِ.[1]

---

[1] کامل الزیارات: ص ۲۳۹.

زیارت دوم:

شیخ طوسی رحمہ اللہ کتاب تہذیب الاحکام میں ایک گروہ سے جو یونس بن ظبیان سے روایت کرتا ہے نقل کرتے ہیں کہ امام صادق علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے ضمن میں فرمایا: اس کے بعد علی بن الحسین علیہما السلام کی جانب جاجو امام حسین علیہ السلام کی پائنتی کی جانب ہیں اور تین مرتبہ کہہ:

السَّلاَمُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُولِ اللهِ السَّلاَمُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ عَلِيٍّ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ السَّلاَمُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ السَّلاَمُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ خَدِيجَةَ الْكُبْرَى وَ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ.

اس کے بعد تین مرتبہ کہہ: لَعَنَ اللهُ مَنْ قَتَلَكَ.

پھر تین مرتبہ کہہ: أَنَا إِلَى اللهِ مِنْهُمْ بَرِيءٌ.[1]

زیارت سوم:

کلینی رحمہ اللہ کافی میں یوسف کناسی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی جس میں آپ نے فرمایا: علی ابن الحسین علیہما السلام کے پاس جاؤ اور کہو:

سَلاَمُ اللهِ وَ سَلاَمُ مَلاَئِكَتِهِ الْمُقَرَّبِينَ وَ أَنْبِيَائِهِ الْمُرْسَلِينَ يَا مَوْلاَيَ وَ ابْنَ مَوْلاَيَ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ عَلَيْكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ وَ عَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ وَ عِتْرَةِ آبَائِكَ الْأَخْيَارِ الْأَبْرَارِ الَّذِينَ أَذْهَبَ اللهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَ طَهَّرَهُمْ تَطْهِيراً.[2]

---

[1] تہذیب الاحکام: ج ۶، ص ۵۶.

[2] الکافی: ج ۴، ص ۵۷۳.

زیارت چہارم:

شیخ طوسی رحمہ اللہ کی مصباح المتہجد میں یوں وارد ہوا ہے: صفوان جمال نے امام صادق علیہ السلام سے امام حسین علیہ السلام کی زیارت کی اجازت لی اور ان سے درخواست کی کہ انہیں وہ عبارت تعلیم دیں جو وہ وہاں جا کر پڑھیں... یہاں تک کہ امام نے فرمایا: اس کے بعد امام حسین علیہ السلام کے پائے مبارک کی جانب جا اور علی ابن الحسین علیہما السلام کے سر کی جانب کھڑا ہو کر کہہ:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُولِ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ نَبِيِّ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ الْحُسَيْنِ الشَّهِيدِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الشَّهِيدُ وَ ابْنُ الشَّهِيدِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْمَظْلُومُ وَ ابْنُ الْمَظْلُومِ لَعَنَ اللَّهُ أُمَّةً قَتَلَتْكَ وَ لَعَنَ اللَّهُ أُمَّةً ظَلَمَتْكَ وَ لَعَنَ اللَّهُ أُمَّةً سَمِعَتْ بِذَلِكَ فَرَضِيَتْ بِهِ.

اس کے بعد ان کی قبر پر جھک جا اور کہہ:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَلِيَّ اللَّهِ وَ ابْنَ وَلِيِّهِ لَقَدْ عَظُمَتِ الْمُصِيبَةُ وَ جَلَّتِ الرَّزِيَّةُ بِكَ عَلَيْنَا وَ عَلَى جَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ فَلَعَنَ اللَّهُ أُمَّةً قَتَلَتْكَ وَ أَبْرَأُ إِلَى اللَّهِ وَ إِلَيْكَ مِنْهُمْ.[1]

زیارت پنجم:

علامہ مجلسی رحمہ اللہ اپنی کتاب بحار الانوار میں کتاب المزار الکبیر سے امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ امام نے یہ زیارت صفوان جمال کو تعلیم فرمائی۔ اس میں اس طرح وارد ہوا ہے: اس کے بعد علی بن الحسین علیہما السلام کی قبر پر جا، اس کا بوسہ لے اور یوں کہہ:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَلِيَّ اللَّهِ وَ ابْنَ وَلِيِّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ وَ ابْنَ حَبِيبِهِ

---

1 مصباح المتہجد: ج۲، ص ۷۲۲۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيلَ اللَّهِ وَ ابْنَ خَلِيلِهِ عِشْتَ سَعِيداً وَ مِتَّ فَقِيداً وَ قُتِلْتَ مَظْلُوماً يَا شَهِيدُ ابْنَ الشَّهِيدِ عَلَيْكَ مِنَ اللَّهِ السَّلَامُ.[1]

زیارت ششم:

مصباح الزائر میں سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ نے فرمایا: امام حسین علیہ السلام کی پائنتی کی جانب علی بن الحسین علیہما السلام کی قبر کے نزدیک کھڑا ہو اور کہہ:

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ الطَّيِّبُ الطَّاهِرُ وَ الزَّكِيُّ الْحَبِيبُ الْمُقَرَّبُ وَ ابْنُ رَيْحَانَةِ رَسُولِ اللَّهِ ص السَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ شَهِيدٍ مُحْتَسِبٍ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ. مَا أَكْرَمَ مَقَامَكَ وَ أَشْرَفَ مُنْقَلَبَكَ أَشْهَدُ لَقَدْ شَكَرَ اللَّهُ سَعْيَكَ وَ أَجْزَلَ ثَوَابَكَ وَ أَلْحَقَكَ بِالذِّرْوَةِ الْعَالِيَةِ حَيْثُ الشَّرَفُ كُلُّ الشَّرَفِ فِي الْغُرَفِ السَّامِيَةِ فِي الْجَنَّةِ فَوْقَ الْغُرَفِ كَمَا مَنَّ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ جَعَلَكَ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ الَّذِينَ أَذْهَبَ اللَّهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَ طَهَّرَهُمْ تَطْهِيراً. وَ اللَّهِ مَا ضَرَّكَ الْقَوْمُ بِمَا نَالُوا مِنْكَ وَ مِنْ أَبِيكَ الطَّاهِرِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْكُمَا وَ لَا ثَلَمُوا مَنْزِلَتَكُمَا مِنَ الْبَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَ لَا وَهَنْتُمَا بِمَا أَصَابَكُمَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ لَا مِلْتُمَا إِلَى الْعَيْشِ فِي الدُّنْيَا وَ لَا تَكَرَّهْتُمَا مُبَاشَرَةَ الْمَنَايَا إِذْ كُنْتُمَا قَدْ رَأَيْتُمَا مَنَازِلَكُمَا فِي الْجَنَّةِ قَبْلَ أَنْ تَصِيرَا إِلَيْهَا فَاخْتَرْتُمَاهَا قَبْلَ أَنْ تَنْتَقِلَا إِلَيْهَا فَسُرِرْتُمْ وَ سُرِرْتُمْ فَهَنِيئاً لَكُمْ يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ التَّمَسُّكُ مِنَ النَّبِيِّ ص بِالسَّبَبِ السَّابِقِ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَ قَدِمْتُمَا عَلَيْهِ وَ قَدْ أَلْحَقْتُمَا بِأَوْثَقِ عُرْوَةٍ وَ أَقْوَى سَبَبٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ الشَّهِيدُ الْمُكَرَّمُ وَ السَّيِّدُ الْمُقَدَّمُ الَّذِي عَاشَ سَعِيداً وَ مَاتَ شَهِيداً وَ ذَهَبَ فَقِيداً فَلَمْ تَتَمَتَّعْ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ وَ لَمْ تَتَشَاغَلْ إِلَّا بِالْمَتْجَرِ الرَّابِحِ أَشْهَدُ أَنَّكَ مِنَ الْفَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ يَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا

---

[1] بحار الانوار: ج ۹۸، ص ۳۶۱ نقل از المزار الکبیر: ص ۳۳۳.

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَ تِلْكَ مَنْزِلَةُ كُلِّ شَهِيدٍ فَكَيْفَ مَنْزِلَةُ الْحَبِيبِ إِلَى اللَّهِ الْقَرِيبِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ص زَادَكَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فِي كُلِّ لَحْظَةٍ وَ لَحْظَةٍ وَ سُكُونٍ وَ حَرَكَةٍ مَزِيداً يَغْبِطُ وَ يَسْعَدُ أَهْلُ عِلِّيِّينَ بِهِ يَا كَرِيمَ النَّفْسِ يَا كَرِيمَ الْأَبِ يَا كَرِيمَ الْجَدِّ إِلَى أَنْ يَتَنَاهَى رَحِمَكُمُ اللَّهُ مِنْ أَنْ يُقَالَ رَحِمَكُمُ اللَّهُ وَ افْتَقَرَ إِلَى ذَلِكَ غَيْرُكُمْ مِنْ كُلِّ مَنْ خَلَقَ اللَّهُ ثُمَّ تَقُولُ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَ رِضْوَانُهُ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ فَاشْفَعْ لِي أَيُّهَا السَّيِّدُ الطَّاهِرُ إِلَى رَبِّكَ فِي حَطِّ الْأَثْقَالِ عَنْ ظَهْرِي وَ تَخْفِيفِهَا عَنِّي وَ ارْحَمْ ذُلِّي وَ خُضُوعِي لَكَ وَ لِلسَّيِّدِ أَبِيكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكُمَا.

اس کے بعد ان کی قبر پر جھک جا اور کہہ:

زَادَ اللَّهُ فِي شَرَفِكُمْ فِي الْآخِرَةِ كَمَا شَرَّفَكُمْ فِي الدُّنْيَا وَ أَسْعَدَكُمْ كَمَا أَسْعَدَ بِكُمْ وَ أَشْهَدُ أَنَّكُمْ أَعْلَامُ الدِّينِ وَ نُجُومُ الْعَالَمِينَ.[1]

زیارت ہفتم:

مصباح الزائر میں باب زیارت علی بن الحسین علیہما السلام در روز و شب اول رجب اور شب نیمہ شعبان میں وارد ہوا ہے کہ قبر کے نزدیک کھڑا ہو اور کہہ:

السَّلَامُ عَلَى أَوَّلِ قَتِيلٍ مِنْ نَسْلِ خَيْرِ سَلِيلٍ مِنْ سُلَالَةِ إِبْرَاهِيمَ الْخَلِيلِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَ عَلَى أَبِيكَ إِذْ قَالَ فِيكَ قَتَلَ اللَّهُ قَوْماً قَتَلُوكَ يَا بُنَيَّ مَا أَجْرَأَهُمْ عَلَى الرَّحْمَنِ وَ عَلَى انْتِهَاكِ حُرْمَةِ الرَّسُولِ عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَا.

أَشْهَدُ أَنَّكَ ابْنُ حُجَّةِ اللَّهِ وَ ابْنُ أَمِينِهِ حَكَمَ اللَّهُ لَكَ عَلَى قَاتِلِيكَ وَ أَصْلَاهُمْ جَهَنَّمَ وَ سَاءَتْ مَصِيراً وَ جَعَلَنَا اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ مُلَاقِيكَ وَ مُرَافِقِيكَ وَ مُرَافِقِي جَدِّكَ وَ أَبِيكَ وَ عَمِّكَ وَ أَخِيكَ وَ أُمِّكَ الْمَظْلُومَةِ الطَّاهِرَةِ الْمُطَهَّرَةِ.

---

[1] مصباح الزائر ص ۱۲۴- ۱۲۵.

وَ أَبْرَأُ إِلَى اللهِ مِمَّنْ قَتَلَكَ وَ أَسْأَلُ اللهَ مُرَافَقَتَكُمْ فِي دَارِ الْخُلُودِ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ.[1]

زیارت ہشتم:

شیخ مفید رحمہ اللہ اپنی کتاب المزار میں نیمہ ماہ رجب میں علی بن الحسین علیہما السلام کے لیے یہ زیارت ذکر کرتے ہیں:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَوْلَايَ وَ ابْنَ مَوْلَايَ لَعَنَ اللهُ قَاتِلِيكَ وَ لَعَنَ اللهُ ظَالِمِيكَ إِنِّي أَتَقَرَّبُ إِلَى اللهِ بِزِيَارَتِكُمْ وَ بِمَحَبَّتِكُمْ وَ أَبْرَأُ إِلَى اللهِ مِنْ أَعْدَائِكُمْ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَوْلَايَ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ.[2]

زیارت نہم:

شیخ مفید رحمہ اللہ، سید بن طاؤس رحمہ اللہ اور شہید اول علیہ الرحمہ نے عید فطر و قرباں کے دن علی بن الحسین علیہما السلام کے لیے یہ زیارت نقل کی ہے:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَلِيَّ اللهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُولِ اللهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ فَاطِمَةَ سَيِّدَةِ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْمَظْلُومُ الشَّهِيدُ بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي عِشْتَ سَعِيداً وَ قُتِلْتَ مَظْلُوماً شَهِيداً.[3]

---

[1] بحار الانوار: ج ۹۸، ص ۳۳۹.

[2] ہمیں یہ روایت مذکورہ کتاب میں نہیں ملی البتہ بحار: ج ۹۸، ص ۳۴۵ و المزار شہید اول: ص ۱۶۳ میں یہ زیارت موجود ہے۔ (مترجم)

[3] المزار للشہید اول رحمہ اللہ: ص ۱۶۱؛ بحار: ج ۹۸، ص ۳۵۴.

زیارت دہم:

تمام علماء نے یہ زیارت روزِ عرفہ میں علی بن الحسین علیہما السلام کے لیے نقل کی ہے:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُولِ اللهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ نَبِيِّ اللهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ الْحُسَيْنِ الشَّهِيدِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الشَّهِيدُ ابْنَ الشَّهِيدِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْمَظْلُومُ لَعَنَ اللهُ أُمَّةً قَتَلَتْكَ وَ لَعَنَ اللهُ أُمَّةً ظَلَمَتْكَ وَ لَعَنَ اللهُ أُمَّةً سَمِعَتْ بِذَلِكَ فَرَضِيَتْ بِهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَلِيَّ اللهِ وَ ابْنَ وَلِيِّهِ لَقَدْ عَظُمَتِ الْمُصِيبَةُ وَ جَلَّتِ الرَّزِيَّةُ بِكَ عَلَيْنَا وَ عَلَى جَمِيعِ الْمُؤْمِنِينَ فَلَعَنَ اللهُ أُمَّةً قَتَلَتْكَ وَ أَبْرَأُ إِلَى اللهِ وَ إِلَيْكَ مِنْهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ.[1]

یہ وہ زیارات ہیں جو علی اکبر علیہ السلام کی شان و منزلت میں ہم تک ائمہ علیہم السلام سے مخصوص الفاظ کے ساتھ پہنچی ہیں۔ جو کوئی بھی ان کے بلند و بالا مضامین میں تأمل سے کام لے گا علی اکبر علیہ السلام کی بلند منزلت اس کے سامنے عیاں اور واضح ہو جائے گی کیونکہ ان تمام کو درک کرنے سے فکر ناتوان ہے۔ شہدائے کربلا جو خود تمام شہداء کے سردار ہیں، ان میں علی اکبر علیہ السلام (خاص) خصائص کے حامل ہیں۔ اگر خدا کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے اوصیاء کی تعداد کے بارہ عدد میں محدود ہونے کا نہ ہوتا تو بے شک وہ امامت کی قابلیت رکھتے تھے، لیکن ائمہ علیہم السلام کے اسماء و القاب و کنیت و نام پدر خدا کے صحف مکرم میں پہلے سے درج ہیں۔ یہ مقام تعجب نہیں کہ خدا ایسی ذوات مقدس و مطہر کو خلق کرے جو اس مادی دنیا کے تمام عوارض سے دور اور پاک ہوں، ان کا نفس قدسی مبدائے اعلیٰ سے متصل ہو اور وہ حضرت عز جل شانہ کے علاوہ کسی اور چیز کو خاطر میں نہ لائیں اور جمال قدسی الٰہی کے سوا ان کی آنکھ کو کچھ نہ بھائے۔

---

[1] اقبال الاعمال: ج ۱، ص ۳۳۴؛ المزار للشہید اول رحمہ اللہ: ص ۱۷۶؛ بحار الانوار: ج ۹۸، ص ۳۶۱.

نماز زیارت علی الاکبر علیہ السلام

امام صادق علیہ السلام سے ایک حدیث مروی ہے جس میں سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے حوالے سے متعدد مقدمات ذکر ہوئے ہیں، اسی میں آپ فرماتے ہیں:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَصَلِّ مَا أَحْبَبْتَ إِلَّا أَنَّ رَكْعَتَيِ الزِّيَارَةِ لَا بُدَّ مِنْهُمَا عِنْدَ كُلِّ قَبْرٍ.

جب زیارت سے فارغ ہو جاؤ تو جس قدر ہو سکے نماز پڑھو، لیکن لازم ہے کہ ہر قبر کے پاس دو رکعت نماز ادا کرو۔[1]

امام نے اس عمومی حکم کے ساتھ ہر اس ہستی کے لیے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے جس کی زیارت کی جائے اور اس حوالے سے کوئی استثنیٰ ذکر نہیں ہوا۔ بعض غیر معصومین علیہم السلام کی وارد شدہ زیارات میں نماز زیارت کا ذکر نہ ہونا اس حکم کی عمومیت کو باطل نہیں کرتا کیونکہ حکم عام اس وقت تک غالب رہتا ہے جب تک کوئی مخصص نہ آجائے، ایسے ہی ائمہ معصومین علیہم السلام کے لیے نماز زیارت پر نصوص کا وارد ہونا غیر معصومین علیہم السلام کے لیے اس کے غیر شرعی ہونے کی دلیل نہیں۔

علامہ مجلسی رحمہ اللہ کے معاصرین میں سے ایک کا یہ نظریہ ہے: غیر معصومین علیہم السلام کے لیے نماز زیارت جائز نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ وارد شدہ احادیث میں یہ نماز وارد نہیں ہوئی۔

یہ نظریہ قابل قبول نہیں کیونکہ یہ حکم عام حاکمیت رکھتا ہے (یعنی غالب ہے)۔

ثانیاً شیخ مفید رحمہ اللہ اور شیخ ابن مشہدی رحمہ اللہ نے باب زیارات میں ابو الفضل العباس

---

[1] کامل الزیارات: ص ۲۴۰۔

علیہ السلام کے لیے اس نماز کو روایات سے استناد کرتے ہوئے ثابت کیا ہے۔[1] سید ابن طاؤوس رحمۃ اللہ علیہ نے مصباح الزائر میں قمر بنی ہاشم علیہ السلام کے لیے اس نماز کے رجحان کی تصریح فرمائی ہے اور کتاب کے آخر میں فرمایا ہے: میں نے جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے وہ روایات پر اعتماد کی بنا پر لکھا ہے۔

ابن مشہدی اپنی کتاب کے آغاز میں لکھتے ہیں: میں نے اس کتاب میں جو کچھ نقل کیا ہے وہ سب مطالب ائمہ معصومین علیہم السلام کی روایات سے اخذ شدہ ہے۔

اس بنا پر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان بزرگان نے جو کچھ اپنی کتب میں نقل کیا ہے اس میں انہوں نے اپنی جانب سے اضافہ بھی کیا ہے جو کہ اہل بیت علیہم السلام کی روایات سے اخذ شدہ نہیں۔

جو کچھ ابن مشہدی رحمۃ اللہ علیہ اور شہید اول رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتب مزار میں نقل کیا ہے اس کے مطابق مسلم ابن عقیل علیہ السلام اور ہانی ابن عروہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بھی نماز زیارت پڑھنا رجحان رکھتا ہے، لہذا ان زیارات کی نماز میں تردید کا شکار ہونا جن کا ذکر علمائے اعلام نے بزرگان اہل بیت علیہم السلام کے لیے ذکر کیا ہے، شائستہ نہیں ہے، ہر چند کہ ہم ان روایات کے اصلی مفہوم تک رسائی نہ رکھتے ہوں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم اس طریق کا علم نہیں رکھتے جس سے روایت ان بزرگان تک پہنچی تھیں۔ یہ امکان بھی موجود ہے کہ انہوں نے یہ براہ راست امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف سے سنا ہو۔ لہذا روایت کے طریق کے بارے میں ہمارا جہل نماز زیارت کے عدم رجحان کا موجب نہیں بن سکتا۔

استاد المحققین شیخ اسد اللہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز زیارت کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ اس حوالے سے ہمارے علم میں اضافہ کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: احتمال موجود ہے کہ

---

[1] مزار البحار: ص ۱۶۵.

بعض علماء جو ائمہ علیہم السلام کے اسرار کے حامل ہیں وہ امام عصر علیہ السلام سے علم حاصل کریں اور یہ یا تو ان کے سفراء میں سے کسی ایک کے ذریعے سے ہے یا کسی توقیع و مکاتبے کے صدور کے ذریعے سے یا امام سے خود براہ راست سننے کے طریق سے، البتہ اس انداز میں کہ زمان غیبت میں امام کی رؤیت سے منافات نہ رکھتا ہو، اس صورت میں اگر کوئی عالم اس طریق سے کسی حکم تک رسائی حاصل کرتا ہے تو ہر چند کہ دوسرے ادلہ اس پر دلالت نہ بھی رکھتے ہوں، لیکن چونکہ وہ ان کی روش و طریق کا اظہار نہیں کر سکتا لہذا وہ اتفاق علماء اور مقبولیت وغیرہ کے عنوان کے تحت وہ حکم بیان کرتا ہے۔

یہ اصل علمائے شیعہ کے درمیان متداول ان اکثر زیارات اور آداب و اعمال معروف میں جاری ہے، جن کے بارے میں ان گزشتہ علماء کی کتب میں جو اسرار و آثار ائمہ علیہم السلام سے آگاہ تھے صریح روایت موجود نہیں ہیں۔

مثال کے طور پر علامہ حلی کے والد رحمۃ اللہ علیہ اور سید ابن طاؤوس رحمۃ اللہ علیہ، نجف اشرف کے مجاور سید عابد بزرگوار رضی الدین محمد بن محمد ازدی حسینی رحمۃ اللہ علیہ سے تسبیح سے استخارہ کرنے کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں جو انہوں نے امام زمانہ علیہ السلام سے نقل کی ہے۔ یا وہ دعا جو سید ابن طاؤوس رحمۃ اللہ علیہ نے امام زمانہ علیہ السلام سے ان کے شیعوں کے بارے میں سنی تھی، یا دعائے علوی مصری جو امام زمانہ علیہ السلام نے محمد بن علی علوی حسنی مصری کو حائر حسینی میں تعلیم فرمائی تھی، امام علیہ السلام ان کے پاس پانچ بار تشریف لائے تاکہ انہیں یہ دعا تعلیم فرمائیں۔

یہ اصل بہت سے علماء کے اقوال میں موجود ہے کہ ان کے کہنے کی دلیل معین و مشخص نہیں، اگر کوئی عالم امام عصر علیہ السلام کے حکم یا فرمائش تک رسائی حاصل کرلے نیز اسے اکثر فقہاء کے اقوال کے مخالف دیکھے جبکہ دوسری جانب وہ اس کے طریق کے اظہار کی اجازت بھی نہ رکھتا ہو تو چونکہ وہ حق کے ضائع ہونے سے خوفزدہ ہوتا ہے

لہذا وہ علماء میں سے کسی ایک کے قول کی صورت میں نقل کر دیتا ہے اور اس کی دلیل ذکر کیے بنا اس کے مطابق فتویٰ دیتا ہے۔

اس محقق بزرگوار کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے امامیہ نے کوئی بھی حکم بنا دلیل کے اپنی کتب میں نقل نہیں کیا اور علی اکبر علیہ السلام کے لیے مستحب نماز زیارت پڑھنے کے لیے اس مقدار (میں دلیل) کافی ہے، اس کے علاوہ عالم جلیل القدر کفعمی اپنی کتاب بلد الامین میں امام صادق علیہ السلام سے امام حسین علیہ السلام کی ایک زیارت نقل کرتے ہیں، اس کے بعد فرماتے ہیں:

علی بن الحسین علیہما السلام، شہدائے کربلا اور حضرت عباس علیہ السلام کی زیارت کر اور اٹھ رکعت نماز ادا کر، اور یہ اٹھ رکعت نماز امام حسین علیہ السلام کی دو رکعت نماز زیارت کے ساتھ محقق ہو جائے گی۔[1]

صاحب المزار الکبیر امام حسین علیہ السلام کے لیے امام صادق علیہ السلام سے زیارت اور اس کی نماز نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: اس کے بعد علی بن الحسین علیہما السلام کی زیارت کر اور دو رکعت نماز زیارت پڑھ، اس کے بعد محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر کثرت سے صلوات بھیج اور خدا سے اپنی حاجت طلب کر۔[2]

وہ افراد جو علی اکبر علیہ السلام کے نماز زیارت کے استحباب کے سلسلے میں ائمہ علیہم السلام کی نصوص کے خواہاں ہیں ان کے لیے اس قدر بحث کافی ہے۔ خدا ہماری ان وظائف کی انجام دہی کی توفیق میں اضافہ فرمائے جو ہمیں اس کا مقرب بنا دیں۔

---

[1] مزار البحار: ص ۱۶۹۔ (یعنی جناب عباس، جناب علی اکبر اور امام حسین علیہ السلام کے لیے دو دو رکعت اور بقیہ تمام شہدائے کربلا کے لیے مشترکہ طور پر دو رکعت نماز ادا کی جائے تو مجموعا ۸ رکعت نماز ہو جائے گی۔ مترجم)

[2] ایضاً: ص ۱۸۰

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم، بحق محمد و آلہ الطاہرین؛

۱۹ جمادی الاول ۱۴۴۱ ہجری، بمطابق ۱۵ جنوری ۲۰۲۰، عش آل محمد ﷺ قم المقدس میں اس کتاب کے ترجمے سے فراغت نصیب ہوئی.

خادم علوم آل محمد ﷺ

سید سبطین علی نقوی امروہوی.

فہرست

حرف مترجم	6
تقریظ آیت اللہ سید شہاب الدین مرعشی نجفی رحمۃ اللہ علیہ	8
مقدمہ مولف	11
مادر علی الاکبر جناب لیلیٰ سلام اللہ علیہا	13
ولادت علی الاکبر علیہ السلام	18
کنیت علی الاکبر علیہ السلام	20
لقب علی الاکبر علیہ السلام	24
صفات علی الاکبر علیہ السلام	83
تمہید	83
حلم وبردباری	39
تواضع	41
کرم وبخشش	43
شجاعت	44
بلاغت	45
علی الاکبر علیہ السلام شبیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	53
[عصمت علی الاکبر علیہ السلام]	55
فضائل علی الاکبر علیہ السلام	57
علی الاکبر علیہ السلام امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں	67
علی الاکبر علیہ السلام درراہ کربلا	83
علی الاکبر علیہ السلام سوئے فرات	85

علی الاکبرؑ اور شب عاشورا	89
شہادت علی الاکبرؑ	92
طاہر خون	106
دفنِ جسدِ علی الاکبرؑ	116
مرقدِ علی الاکبرؑ	122
علی الاکبرؑ کے زیارے نامے	139
نمازِ زیارتِ علی الاکبرؑ	140

مترجم کی ترجمہ کردہ دیگر کتب جو ادارہ ہذا کی جانب سے شائع کی گئی ہیں

نام کتاب	مؤلف	
مختصر زیارت جامعہ کبیرہ	آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی	مطبوعہ
مجموعہ رسائل علامہ طباطبائی (۱)	علامہ محمد حسین طباطبائیؒ	مطبوعہ
مائۃ منقبۃ	ابن شاذان قمیؒ	مطبوعہ
عجائبات فاطمیؑ	آقائے سید محمد یزدی نجفی	مطبوعہ
غلو، حقیقت اور اس کی اقسام	آقائے سید کمال الحیدری	مطبوعہ
تجلیات ولایت	آقائے سید محمد یزدی نجفی	مطبوعہ
اصول تفسیر قرآن	آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی	مطبوعہ
علم درایۃ الحدیث	آقائے محمد حسن ربانی	مطبوعہ
الدرۃ الباھرۃ من الاصداف الطاھرۃ	شہید اولؒ	مطبوعہ
اصول الحدیث (علم الدرایہ)	آیت اللہ عبد الہادی فضلیؒ	زیر طبع
اثبات فضائل زہراؑ	سید ہاشم ہاشمی	مطبوعہ
زیارت در نگاہ اہلسنت	آقائے محمد علی حسین زادہ	مطبوعہ
فقہ جعفری کا مختصر تعارف	آقائے سید محمد یزدی نجفی	مطبوعہ
فرق ومذاہب اسلامی کا تعارف	آقائے رضا برنجکار	مطبوعہ
حقیقت معجزہ (خمسہ مجالس)	سید سبطین علی نقوی امروہوی	مطبوعہ
الولایۃ التکوینیۃ فی اقوال علماء الامامیۃ	سید سبطین علی نقوی امروہوی	مطبوعہ
الزہراؑ (سیرت جناب سیدہؑ)	آیت اللہ عبد الرزاق مقرمؒ	مطبوعہ
الانوار اللامعۃ فی شرح زیارۃ الجامعۃ	علامہ سید عبد اللہ شبر کاظمیؒ	مطبوعہ
ووالد وما ولد (سیرت امام رضاؑ و امام جوادؑ)	آیت اللہ عبد الرزاق مقرمؒ	مطبوعہ
علم الرجال کی چار اصلی کتب	آیت اللہ سید علی خامنہ ای	مطبوعہ

اصول علم الرجال	آیت اللہ عبد الہادی فضلیؒ	زیر ترجمہ
بینات (مجموعہ رسائل علامہ مرتضیٰ عسکریؒ)	علامہ سید مرتضیٰ عسکریؒ	مطبوعہ
علی الاکبر علیہ السلام (کتاب ہذا)	آیت اللہ عبد الرزاق مقرمؒ	مطبوعہ
توحید (عشرہ مجالس)	سید سبطین علی نقوی امروہوی	زیر طبع
الثقلین: (عشرہ مجالس)	سید سبطین علی نقوی امروہوی	زیر طبع
اصول علم العقائد	غلام علی سنجری	زیر طبع

مترجم کی دیگر علمی کاوشیں

زیر طبع کتب

SABEEL E SAKINA
(DMF) PAKISTAN

W : www.ziaraat.com
P : +92 (0) 333 2000 464 (KHI)
+92 (0) 321 4664 333 (LHR)
@ : webmaster@ziaraat.com
f : fb.com/ziaraatdotcom.official
: +92 (0) 348 8640 778

ISBN: 978-969-720-015-3
Price: Rs 380/-